فہرست

شذرات	قانون معاشرت ــــ خصوصی اشاعت	منظور الحسن	۲
قرآنیات	البقرہ (۲: ۲۳۰-۲۳۲)	جاوید احمد غامدی	۳
معارفِ نبوی	ایمان کے اجزا اور نفاق کے اجزا	زاویۂ فراہی	۷
دین و دانش	قانون معاشرت	جاوید احمد غامدی	۹
ادبیات	غزل	جاوید احمد غامدی	۱۰۹
خبرنامہ			۱۱۶

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قانون معاشرت ـــــ خصوصی اشاعت

مدیر ''اشراق'' جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کا موضوع اسلام ہے۔ کم و بیش ربع صدی کے مطالعہ و تحقیق سے انھوں نے اس دین کو جو کچھ سمجھا ہے، وہ اپنی اس کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں: ''الحکمۃ'' اور ''الکتاب''۔ پہلے حصے میں ایمان و اخلاق اور دوسرے حصے میں شریعت کے مباحث بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب ابھی نا تمام ہے۔ شریعت کے مباحث میں سے قانون سیاست، قانون معیشت، قانون دعوت، قانون جہاد، حدود و تعزیرات، خور و نوش، رسوم و آداب اور قسم اور کفارۂ قسم کے ابواب شائع ہو چکے ہیں۔ اس حصے کے باقی دو ابواب قانون معاشرت اور قانون عبادات میں سے قانون معاشرت بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ یہ ''اشراق'' میں بالاقساط شائع ہوتا رہا ہے۔ اس اشاعت میں افادۂ عام کے لیے ہم اسے یک جا شائع کر رہے ہیں۔

ـــــ منظور الحسن

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة البقرة

(۴۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ، فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ، اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ، وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

پھر اگر (دو مرتبہ طلاق سے رجوع کے بعد) شوہر نے (اِسی رشتۂ نکاح میں) بیوی کو (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اب وہ اُس کے لیے جائز نہ ہوگی، جب تک اُس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ لیکن اگر اُس (دوسرے شوہر) نے بھی طلاق دے دی تو پہلے میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے، اگر یہ توقع رکھتے ہوں کہ (اب) وہ حدودِ الٰہی پر قائم رہ سکیں گے۔[۶۱۱] اور یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں جنھیں وہ اُن لوگوں کے لیے واضح کر رہا

---

[۶۱۱] اس طلاق کے بعد رجوع کا حق تو باقی نہیں رہتا، لیکن وہی میاں بیوی اگر دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو اس کے لیے قرآن نے یہاں تین شرطیں بیان فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے۔

دوسری یہ کہ اس سے بھی نباہ نہ ہو سکے اور وہ اسے طلاق دے دے۔

تیسری یہ کہ وہ دونوں سمجھیں کہ دوبارہ نکاح کے بعد اب وہ حدودِ الٰہی پر قائم رہ سکیں گے۔

پہلی اور دوسری شرط میں نکاح سے مراد عقدِ نکاح اور طلاق سے مراد وہی طلاق ہے جو آدمی نباہ نہ ہونے کی صورت میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

ہے جو علم حاصل کرنا چاہتے ہوں[۶۱۲]۔ ۲۳۰

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو اُنھیں بھلے طریقے سے روک لو یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو اور اُنھیں نقصان پہنچانے کے ارادے سے ہرگز نہ روکو کہ (اس طرح) اُن پر

علیحدگی کا فیصلہ کر لینے کے بعد اپنی بیوی کو دیتا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ لفظ نکاح شریعت اسلامی کی ایک معروف اصطلاح ہے جس کا اطلاق ایک عورت اور مرد کے اس ازدواجی معاہدے پر ہوتا ہے جو زندگی بھر کے نباہ کے ارادے کے ساتھ زن و شو کی زندگی گزارنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگر یہ ارادہ کسی نکاح کے اندر نہیں پایا جاتا تو وہ فی الحقیقت نکاح ہی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سازش ہے جو ایک عورت اور ایک مرد نے باہم مل کر کر لی ہے۔ نکاح کے ساتھ شریعت نے طلاق کی جو گنجایش رکھی ہے تو وہ اصل اسکیم کا کوئی جز نہیں ہے، بلکہ یہ کسی ناگہانی افتاد کے پیش آ جانے کا ایک مجبورانہ مداوا ہے۔ اس وجہ سے نکاح کی اصل فطرت یہی ہے کہ وہ زندگی بھر کے سنجوگ کے ارادے کے ساتھ عمل میں آئے۔ اگر کوئی نکاح واضح طور پر محض ایک معین و مخصوص مدت تک ہی کے لیے ہو تو اس کو متعہ کہتے ہیں اور متعہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے کہ اس نکاح کے بعد طلاق دے کر وہ اس عورت کو اس کے پہلے شوہر کے لیے جائز ہونے کا حیلہ فراہم کرے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ حلالہ ہے اور یہ بھی اسلام میں متعہ ہی کی طرح حرام ہے۔ جو شخص کسی کی مقصد برآری کے لیے یہ ذلیل کام کرتا ہے، وہ درحقیقت ایک قرم ساق یا بھڑوے یا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے 'کرایے کے سانڈ' کا رول ادا کرتا ہے اور ایسا کرنے والے اور ایسا کروانے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۳۷)

تیسری شرط اس لیے عائد کی گئی ہے کہ نکاح و طلاق کو لوگ بچوں کا کھیل نہ سمجھیں اور متنبہ رہیں کہ کسی عورت کو طلاق دینی ہے تو خدا سے ڈرتے ہوئے اور نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر دی جائے، اور اس سے نکاح کرنا ہے تو یہ لازماً دل کے سچے ارادے اور سازگاری کی مخلصانہ خواہش کے ساتھ کیا جائے۔ اس سے مختلف کوئی رویہ اختیار کرنا کسی بندۂ مومن کے لیے اس معاملے میں جائز نہیں ہے۔

[۶۱۲] اصل میں 'لقوم یعلمون' کے الفاظ آئے ہیں۔ عربی زبان میں فعل جس طرح ظاہری یا حقیقی مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسی طرح ارادۂ فعل کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے اور ہم نے ترجمہ اسی کے لحاظ سے کیا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ، وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا، وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ، يَعِظُكُمْ بِهٖ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ ﴿۲۳۱﴾

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ، فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ، ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۔ وَاللّٰهُ

زیادتی کرو۔ اور (جان لو کہ) جو ایسا کرے گا، وہ اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائے گا۔ اور اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی عنایت کو یاد رکھو، اور اُس قانون اور حکمت کو یاد رکھو جو اُس نے اتاری ہے، جس کی وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے[۶۱۳]۔ ۲۳۱

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو اب اِس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے ہونے والے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب وہ معاملہ بھی آپس میں دستور کے مطابق طے کریں۔ یہ نصیحت تم میں سے اُن لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی تمھارے لیے زیادہ شایستہ

ہے۔

[۶۱۳] یہ بھلے طریقے سے روکنے کی وضاحت فرمائی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''مثبت پہلو سے بات اوپر کہہ چکنے کے بعد منفی پہلو سے بھی اس کی وضاحت اس لیے کر دی گئی کہ ظالم لوگ طلاق اور طلاق کے بعد مراجعت کے شوہری حق کو اس ظلم کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔ حالانکہ یہ صریح اعتدا، یعنی اللہ کے حدود سے تجاوز اور اس کی شریعت کو مذاق بنانا ہے۔ فرمایا کہ جو ایسی جسارت کرتے ہیں، بظاہر تو وہ ایک عورت کو نشانۂ ظلم بناتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ سب سے بڑا ظلم اپنی جان پر کرتے ہیں، کیونکہ اللہ کے حدود کو پھاندنے اور اس کی شریعت کو مذاق بنانے کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو کہ اس نے تمھیں ایک برگزیدہ امت کے منصب پر سرفراز فرمایا، تمھاری ہدایت کے لیے تمھارے اندر اپنا نبی بھیجا، تمھیں خیر و شر اور نیک و بد سے آگاہ کرنے کے لیے تمھارے اوپر اپنی کتاب اتاری جو قانون اور حکمت، دونوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ کی ایسی عظیم نعمتیں پانے کے بعد اگر تم نے ان کا یہی حق ادا کیا کہ خدا کے حدود کو توڑا اور اس کی شریعت کو مذاق بنایا تو سوچ لو کہ ایسے لوگوں کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب

يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ ﴿۲۳۲﴾

اور زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔[۶۱۴] ۲۳۲

جان رکھو کہ وہ تمھاری ہر بات سے باخبر ہے، یعنی وہ لوگوں کی شرارتوں کے باوجود ان کو ڈھیل تو دیتا ہے، لیکن جب وہ پکڑے گا تو اس کی پکڑ سے کوئی بھی چھوٹ نہ سکے گا۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۳۹)

[۶۱۴] طلاق کے بعد جو چیزیں باعث نزاع ہو سکتی ہیں، یہ ان کا حکم ہے۔ فرمایا کہ جب ایک عورت کو طلاق دے دی گئی ہے تو اب اس کے کسی فیصلے میں رکاوٹ بننے کا حق پہلے شوہر کے لیے باقی نہیں رہا، عام اس سے کہ وہ صریح ممانعت کی صورت میں ہو یا کسی سازش اور جوڑ توڑ کے انداز میں۔ طلاق کے بعد عورت جب چاہے اور جہاں چاہے شادی کر سکتی ہے۔ اس کا یہ فیصلہ اگر دستور کے مطابق ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے اصل میں 'بالمعروف' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ عورت اور مرد، دونوں اپنے معاملات طے کرنے میں آزاد ہیں، لیکن اتنی بات بہرحال ضروری ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو شرفا کی روایات کے خلاف ہو اور جس سے پہلے شوہر یا ہونے والے شوہر یا خود عورت کے خاندان کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

آیت کے آخری حصے کی وضاحت میں استاذ امام نے لکھا ہے:

''فرمایا کہ یہ نصیحتیں ان لوگوں کو کی جا رہی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی جن لوگوں کے اندر خدا اور آخرت پر ایمان موجود ہے، ان کے ایمان کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ ان نصیحتوں پر عمل کریں۔ پھر فرمایا کہ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے۔ یعنی اگر عورت کی حسب مرضی نکاح کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو اس سے خاندان اور پھر معاشرے میں بہت سی برائیاں پھیلنے کے اندیشے ہیں۔ یہیں سے خفیہ روابط، پھر زنا، پھر اغوا اور فرار کے بہت سے چور دروازے پیدا ہوتے ہیں اور ایک دن ان سب کی ناک کٹ کے رہتی ہے جو ناک ہی اونچی رکھنے کے زعم میں فطری جذبات کے مقابل میں بے ہودہ رسوم کی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ: اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ یعنی تمھارا علم اور تمھاری نظر بہت محدود ہے، تمھارے لیے زندگی کے تمام نشیب و فراز کو سمجھ لینا بڑا مشکل ہے، اس وجہ سے جو کچھ تمھیں خدا کی طرف سے حکم دیا جا رہا ہے، اس پر عمل کرو۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۴۴)

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایمان کے اجزا اور نفاق کے اجزا

[اس روایت کی ترتیب و تدوین اور شرح و وضاحت جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں زاویۂ فراہی کے رفقا معز امجد، منظور الحسن، محمد اسلم نجمی اور کوکب شہزاد نے کی ہے۔]

روی[1] انہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الحیاء والعی شعبتان من الایمان، والبذاء والبیان شعبتان من النفاق[2]۔

روایت ہوا ہے کہ حیا اور کم گوئی ایمان کے اجزا ہیں، جبکہ یاوہ گوئی اور چکنی چپڑی باتیں نفاق کے اجزا ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ یہ روایت اپنی اصل کے اعتبار سے احمد بن حنبل، رقم ۲۲۳۶۶ ہے۔ کچھ فرق کے ساتھ یہ حسب ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

ترمذی، رقم ۲۰۲۷۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۵۷۴۔ عبدالرزاق، رقم ۳۰۴۲۸۔ بیہقی، رقم ۲۰۵۹۷۔

۲۔ یہی بات کسی قدر مختلف اسلوب میں حسب ذیل روایت میں بھی نقل ہوئی ہے:

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة ''حیا ایمان کا جز ہے اور ایمان کا صلہ جنت ہے اور

والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار۔ (ابن ماجہ، رقم ۴۱۸۴)	بدکلامی (اللہ سے) تغافل ہے اور (اللہ سے) تغافل کا صلہ جہنم کی آگ ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قانون معاشرت

انسان کے خالق نے اسے ایک معاشرت پسند حیوان کی فطرت عطا فرمائی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس طرح نہیں ہوتی کہ اس کا خالق اسے آسمان پر کہیں بنا کر بالکل عالم شباب میں براہ راست زمین پر نازل کرتا اور پھر ہرم وشیب کے مراحل سے گزارے بغیر اسی عالم شباب میں اسے واپس لے جاتا ہے۔اس کے برخلاف اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تہ بر تہ ظلمتوں میں ایک ناتواں بچے کی حیثیت سے وجود پزیر ہوتا ہے۔آغوش مادر میں آنکھیں کھولتا ہے۔ہمکتا، کھیلتا، دوسروں کے ہاتھ سے کھاتا، پیتا اور اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔وہ پہلے زمین پر گھسٹتا، گھٹنوں کے بل چلتا اور پھر بڑی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوتا ہے۔اس کے بعد بھی قدم قدم پر اسے سہارے کی ضرورت رہتی ہے۔یہاں تک کہ بچپن اور لڑکپن کے کئی مراحل طے کر کے وہ پندرہ یا سولہ برس کے سن کو پہنچ کر کہیں جوان ہوتا ہے۔اس کا یہ دور شباب بھی بیس تیس برس سے زیادہ طویل نہیں ہوتا۔اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ بڑھاپے کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بار ہا علم ومعرفت کی انتہائی بلندیوں کو چھونے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر ناتواں بچوں ہی کی طرح دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی کے دن پورے کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

انسان کا یہ معاملہ لازماً تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایک معاشرت پسند ہستی کی زندگی بسر کرے۔مرد وعورت کی حیثیت سے یہ معاشرت خِلقت کی ابتدا ہی سے بہ تمام وکمال خود اس کے اندر چھپی ہوتی ہے۔اس کو تلاش کرنے کے لیے اسے اپنے وجود سے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔وہ اس دنیا میں آتا ہے تو اپنا ساز وبرگ اور خیمہ وخرگاہ ساتھ لے کر آتا ہے اور وادی وکوہ سار ہو یا دشت وبیاباں، ہر جگہ اپنی بزم خود

آراستہ کر لیتا ہے۔

انسان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس کی تخلیق میں پنہاں اسی اسکیم کے پیش نظر سیدنا آدم علیہ السلام جب پہلے انسان کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے تو انھیں تنہا نہیں بھیجا گیا، بلکہ ان کی رفاقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھی کی جنس سے ان کا جوڑا بنایا۔ پھر اس سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، یہاں تک کہ خاندان، قبیلہ اور بالآخر ریاست کی سطح پر نظم معاشرت وجود میں آئے جن میں انسان کو وہ سب کچھ میسر ہو گیا جو اس کی مخفی صلاحیتوں کو روبہ عمل کرنے کے لیے ناگزیر تھا۔ قرآن نے یہ حقیقت اپنے خاص اسلوب میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

يَآ يُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. (النساء ۴:۱)

”لوگو، اپنے اُس پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی کی جنس سے اُس کا جوڑا بنایا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں، اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مدد چاہتے ہو اور رشتوں کے بارے میں بھی خبردار رہو۔ بے شک، اللہ تم پر نگران ہے۔“

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

اس آیت میں، اگر غور کیجیے تو وہ تمام اصول نہایت خوبی کے ساتھ بیان ہو گئے ہیں جن پر اس کائنات کے خالق نے انسانی معاشرت کی بنا قائم کی ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں یہ اصول درج ذیل ہیں:

”ایک یہ کہ یہ دنیا کوئی بے راعی کا گلہ نہیں ہے، بلکہ اس کو خدا نے وجود بخشا ہے جو سب کا پروردگار ہے۔ اس وجہ سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں دھاندلی مچائے اور من مانی کرنے کی جسارت کرے، بلکہ سب کو اس خداوند کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے جو سب کا خالق و مالک ہے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک ہی نفس ـــــ حضرت آدم ـــــ سے وجود بخشا ہے۔ اس وجہ سے نسب کے اعتبار سے سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں

ہے۔ عربی اور عجمی، کالے اور گورے، سب برابر ہیں۔ ان میں کسی کو کسی پر ترجیح ہوگی تو اکتسابی صفات کی بنا پر ہوگی۔ اس کے سوا شرف کے دوسرے معیارات، سب باطل ہیں۔

تیسرا یہ کہ جس طرح سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، اسی طرح سب کی ماں بھی اصلاً ایک ہی ـــــ حضرت حوا ـــــ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ایک ہی ماں باپ سے یہ پورا گھرانا وجود میں آیا ہے۔ حضرت حوا، آیت سے واضح ہے کہ حضرت آدم ہی کی جنس سے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ عورت مرد کے مقابل میں کوئی حقیر اور فروتر مخلوق نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اس شرف میں برابر کی شریک ہے جو انسان کو بحیثیت انسان حاصل ہے۔

چوتھا یہ کہ انسانی معاشرے میں تعاون و تناصر کی بنیاد وحدت الٰہ، وحدت آدم اور اشتراک رحم کے عقیدے اور جذبے پر ہے۔ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اس اشتراک کا حق پہچانے اور اس کو ادا کرے اور ساتھ ہی اس امر کا اہتمام رکھے کہ کوئی ایسا نعرہ لوگوں پر غالب نہ ہونے پائے جو اس فطری اشتراکیت کو منہدم کر دینے والا اور اس کی جگہ کسی جاہلی جذبے کو ابھارنے والا ہو۔ اگر اس طرح کی کوئی چیز ابھرتی نظر آئے تو یہ پورے معاشرے کے لیے ایک شدید خطرے کا الارم ہے اور معاشرے کے ہر دردمند کا فرض ہے کہ وہ اس کو روکنے کے لیے اپنا زور صرف کرے۔ آیت کے آخر میں 'واتقوا اللّٰہ الذی تساء لون به والارحام' (اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم دگر طالب مدد ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحم سے) کے الفاظ سے اسی خطرے سے متنبہ کیا ہے۔ اس لیے کہ حقیقت میں یہی ستون ہیں جن پر اسلام نے خاندان، معاشرے اور ریاست کی عمارت تعمیر کی ہے۔ جب تک یہ ستون قائم ہیں، یہ عمارت قائم رہے گی۔ جب یہ کمزور پڑ جائیں گے، عمارت خطرے میں پڑ جائے گی اور جب یہ گر جائیں گے، عمارت بھی پیوند زمین ہو جائے گی۔'' (تزکیۂ نفس ۲/۱۴۲)

یہ اساسات ہیں جن پر معاشرت کی بنیاد قائم کرنے کے لیے انبیا علیہم السلام کے دین میں زوجین کی مستقل رفاقت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس مقصد کے لیے تمام داعیات ازل ہی سے ان دونوں کے اندر ودیعت کر دیے گئے ہیں تاکہ وہ دو قالب یک جان ہو کر اس رفاقت کا حق ادا کر سکیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ	''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے

اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡآ اِلَیۡھَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ، اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ. (الروم۳۰:۲۱)	کہ اُس نے تمھاری ہی جنس سے تمھارے لیے جوڑے بنائے تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو،اور (اِس مقصد کے لیے) اُس نے تمھارے اندر محبت اور ہم دردی ودیعت فرمائی ۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اُن کے لیے جوغور کرنے والے ہوں۔''

پورے انسان کواس کے بچپن سے بڑھاپے تک سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ اس کی حیاتی ،نفسیاتی اور معاشرتی ضرورتوں کے لحاظ سے یہی طریقہ عقل وفطرت کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس سے جو معاشرت وجود میں آتی ہے،اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مفصل قانون انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے بنی آدم کو دیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے ان نصوص کی وضاحت کریں گے جو قرآن وسنت میں اب خدا کی ابدی شریعت کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نکاح

وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ ، اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِھِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ، وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ، وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحاً حَتّٰی یُغۡنِیَھُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ .

(النور۲۴:۳۲۔۳۳)

''اورتم میں سے جولوگ مجرد ہوں اورتمھارے لونڈی غلاموں میں سے جوصلاحیت رکھتے ہوں،اُن کے نکاح کردو۔اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ بڑی وسعت اور بڑے علم والا ہے۔اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں،اُنھیں چاہیے کہ عفت اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے اُن کوغنی کردے۔''

ان آیات میں یہ بات پوری قطعیت کے ساتھ واضح کی گئی ہے کہ جنسی جذبے کی تسکین کا ایک ہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، اور وہ نکاح ہے۔ اس کی مقدرت نہ ہو تو یہ چیز بدکاری کے جواز کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔ چنانچہ لوگوں کو تلقین کی گئی ہے کہ ان میں سے جو بن بیاہے رہ گئے ہوں، ان کے نکاح کرائیں۔ علانیہ ایجاب و قبول کے ساتھ یہ مرد و عورت کے درمیان مستقل رفاقت کا عہد ہے جو لوگوں کے سامنے اور کسی ذمہ دار شخصیت کی طرف سے اس موقع پر تذکیر و نصیحت کے بعد پورے اہتمام اور سنجیدگی کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ الہامی صحیفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم میں یہ طریقہ ان کی پیدایش کے پہلے دن ہی سے جاری کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن نازل ہوا تو اس کے لیے کوئی نیا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی۔ ایک قدیم سنت کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی امت میں اسی طرح باقی رکھا ہے۔ یہاں اس کی ترغیب کے ساتھ لوگوں کو مزید یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ اگر غریب بھی ہوں تو اخلاقی مفاسد سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے نکاح کریں۔ اللہ نے چاہا تو یہی چیز ان کے لیے رزق و فضل میں اضافے کا باعث بن جائے گی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”آدمی جب تک بیوی سے محروم رہتا ہے، وہ کچھ خانہ بدوش سا بنا رہتا ہے اور اس کی بہت سی صلاحیتیں سکڑی اور دبی ہوئی رہتی ہیں۔ اسی طرح عورت جب تک شوہر سے محروم رہتی ہے، اس کی حیثیت بھی اس بیل کی ہوتی ہے جو سہارا نہ ملنے کے باعث پھیلنے اور پھولنے پھلنے سے محروم ہو۔ لیکن جب عورت کو شوہر مل جاتا ہے اور مرد کو بیوی کی رفاقت حاصل ہو جاتی ہے تو دونوں کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور زندگی کے میدان میں جب وہ دونوں مل کر جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد میں برکت دیتا ہے اور ان کے حالات بالکل بدل جاتے ہیں۔“ (تدبر قرآن ۵/۴۰۰)

محرمات

وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ، اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقۡتًا وَسَآءَ سَبِیۡلًا . حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمۡ اُمَّھٰتُکُمۡ وَ بَنٰتُکُمۡ وَ

اَخَوٰتُکُمْ وَ عَمّٰتُکُمْ و خٰلٰتُکُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ وَ اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ ، فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ ، وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ ، اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ، اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ .(النساء۴: ۲۲۔۲۴)

’’اور اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں، مگر جو ہو چکا سو ہو چکا۔ بے شک، یہ کھلی بے حیائی، نفرت انگیز فعل اور نہایت برا طریقہ ہے۔ تم پر تمھاری مائیں، تمھاری بیٹیاں، تمھاری بہنیں، تمھاری پھوپھیاں، تمھاری خالائیں، تمھاری بھتیجیاں اور تمھاری بھانجیاں حرام کی گئی ہیں اور تمھاری وہ مائیں بھی جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور رضاعت کے اس تعلق سے تمھاری بہنیں بھی۔ (اسی طرح) تمھاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی لڑکیاں جو تمھاری گودوں میں پلی ہیں، اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تم نے خلوت کی ہو، لیکن اگر خلوت نہ کی ہو تو کچھ گناہ نہیں ـــــ اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کرو، مگر جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اللہ یقیناً بخشنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی کے نکاح میں ہوں، الاّ یہ کہ وہ ملک یمین ہوں۔ یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا فریضہ ہے۔‘‘

یہ ان عورتوں کی فہرست ہے جن سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تمہید سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کی حرمت سے اٹھائی گئی ہے اور خاتمہ ان عورتوں سے نکاح کی ممانعت پر ہوا ہے جو کسی دوسرے کے عقد میں ہوں۔ اس تمہید و خاتمہ کے درمیان جو حرمتیں بیان ہوئی ہیں، وہ رشتہ داری کے اصول ثلاثہ، یعنی نسب، رضاعت اور مصاہرت پر مبنی ہیں۔

عرب جاہلی کے بعض طبقوں میں رواج تھا کہ باپ کی منکوحات بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں اور بیٹے انھیں بیوی بنا لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ قرآن نے فرمایا کہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی،

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

نہایت قابل نفرت فعل اور انتہائی برا طریقہ ہے، لہٰذا اسے اب بالکل ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا، لیکن آیندہ کسی مسلمان کو اس فعل شنیع کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔

یہی معاملہ اس عورت کا ہے جو کسی شخص کے نکاح میں ہو۔ شوہر سے باقاعدہ علیحدگی کے بغیر کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کا حق نہیں رکھتا۔ بالبداہت واضح ہے کہ نکاح کا طریقہ خاندان کے جس ادارے کو وجود میں لانے کے لیے اختیار کیا گیا ہے، وہ اس کے نتیجے میں ہرگز وجود میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ممنوع ٹھیرایا ہے۔ اس زمانے کی لونڈیاں، البتہ اس سے مستثنیٰ تھیں۔ اس لیے کہ کسی کی ملکیت میں آتے ہی ان کا پہلا نکاح آپ سے آپ کالعدم سمجھا جاتا تھا۔ 'الا ماملکت ایمانکم' کے الفاظ میں قرآن نے یہی استثنا بیان کیا ہے۔

اس کے بعد اب باقی حرمتوں کو لیجیے۔

نسب

پہلے نسبی حرمتیں بیان ہوئی ہیں۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھانجی اور بھتیجی؛ یہی وہ سات رشتے ہیں جن کی قرابت اپنے اندر فی الواقع اس نوعیت کا تقدس رکھتی ہے کہ اس میں جنسی رغبت کا شائبہ بھی ہو تو اسے فطرت صالحہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ تقدس ہی درحقیقت تمدن کی بنیاد، تہذیب کی روح اور خاندان کی تشکیل کے لیے رأفت ورحمت کے بے لوث جذبات کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ماں کے لیے بیٹے، بیٹی کے لیے باپ، بہن کے لیے بھائی، پھوپھی کے لیے بھتیجے، خالہ کے لیے بھانجے، بھانجی کے لیے ماموں اور بھتیجی کے لیے چچا کی نگاہ جنس وشہوت کی ہر آلایش سے پاک رہے اور عقل شہادت دیتی ہے کہ ان رشتوں میں اس نوعیت کا علاقہ شرف انسانی کا ہادم اور شرم وحیا کے اس پاکیزہ احساس کے بالکل منافی ہے جو انسانوں اور جانوروں میں وجہ امتیاز ہے۔

ان کا جو حکم یہاں بیان ہوا ہے، وہ ہر لحاظ سے بالکل متعین ہے۔ تاہم یہ تین باتیں اس کے بارے میں واضح رہنی چاہییں:

ایک یہ کہ عربی زبان کے جو الفاظ اس حکم میں استعمال ہوئے ہیں، ان میں سگے اور سوتیلے کے درمیان فرق کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔ چنانچہ سگی اور سوتیلی ماں، سگی بہن، ماں شریک بہن اور باپ

شریک بہن، یہ سب اس حکم میں یکساں ہوں گی۔ اسی طرح ماں اور باپ کی بہن خواہ سگی ہو یا سوتیلی یا باپ شریک، اس کا حکم بھی یہی ہوگا۔ یہی معاملہ بھائی اور بہن کی بیٹیوں کا ہے۔ وہ سگے ہوں یا سوتیلے، ان کی بیٹیوں کو اسی کے تحت سمجھا جائے گا۔

دوسری یہ کہ ماں کا لفظ باپ کی ماں اور ماں کی ماں کو اوپر تک شامل ہے اور بیٹی کا لفظ بھی پوتی اور نواسی کو نیچے تک شامل ہے۔ ان میں حکم کے لحاظ سے ہرگز کوئی فرق نہ ہوگا۔

تیسری یہ کہ نانا کی بہن اور دادی کی بہن بھی بالترتیب پھوپھی اور خالہ ہی ہیں۔ لہٰذا وہ بھی اس حکم میں یکساں شامل ہوں گی۔

رضاعت

یہی تقدس رضاعی رشتوں میں بھی ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

''رضاعت کے تعلق کو لوگ ہمارے ہاں اس گہرے معنی میں نہیں لیتے، جس معنی میں اس کو لوگ عرب میں لیتے تھے۔ اس کا سبب محض رواج کا فرق ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اس کو مادرانہ رشتے سے بڑی گہری مناسبت ہے۔ جو بچہ جس ماں کی آغوش میں، اس کی چھاتیوں کے دودھ سے پلتا ہے، وہ اس کی پوری نہیں تو آدھی ماں تو ضرور بن جاتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کا دودھ اس کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے، اس سے اس کے جذبات و احساسات متاثر نہ ہوں۔ اگر نہ متاثر ہوں تو یہ فطرت کا بناؤ نہیں، بلکہ بگاڑ ہے اور اسلام جو دین فطرت ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس بگاڑ کو درست کرے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۷۵)

یہ تعلق کس طرح دودھ پلانے سے قائم ہوتا ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''یہ تعلق مجرد کسی اتفاقی واقعے سے قائم نہیں ہو جاتا۔ قرآن نے یہاں جن لفظوں میں اسے بیان کیا ہے، اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ یہ اتفاقی طور پر نہیں، بلکہ اہتمام کے ساتھ، ایک مقصد کی حیثیت سے عمل میں آیا ہو، تب اس کا اعتبار ہے۔ اول تو فرمایا ہے: ''تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے۔'' پھر اس کے لیے رضاعت کا لفظ استعمال کیا ہے، 'واخواتکم من الرضاعۃ'۔ عربی زبان کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ 'ارضاع' باب افعال سے ہے جس میں

فی الجملہ مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔اسی طرح رضاعت کا لفظ بھی اس بات سے ابا کرتا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی روتے بچے کو بہلانے کے لیے اپنی چھاتی اس کے منہ میں لگا دے تو یہ رضاعت کہلائے۔''

(تدبر قرآن ۲/ ۲۷۵)

قرآن کا یہ منشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف مواقع پر واضح فرمایا ہے:

سیدہ عائشہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: ایک دو گھونٹ اتفاقاً پی لیے جائیں تو اس سے کوئی رشتہ حرام نہیں ہو جاتا[۱]۔

سیدہ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو یہ ناگوار ہوا اور میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر غصے کے آثار ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اپنے ان بھائیوں کو دیکھ لیا کرو، اس لیے کہ رضاعت کا تعلق تو صرف اس دودھ سے قائم ہوتا ہے جو بچے کو دودھ کی ضرورت کے زمانے میں پلایا جائے[۲]۔

یہاں کسی شخص کو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے منہ بولے بیٹے سالم کی بڑی عمر میں رضاعت سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات اس واقعے سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ منہ بولے بیٹوں کے بارے میں قرآن کا حکم آ جانے کے بعد جو صورت حال ایک گھرانے کے لیے پیدا ہو گئی، اس سے نکلنے کا ایک طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا ہے۔ اسے کسی مستقل حکم کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے:

فجاءت سهلة بنت سهيل بن عمرو القرشي ثم العامري ــــ وهي امراة ابي حذيفة ــــ فقالت: يا رسول اللّٰه، انا كنا نرى سالماً ولداً، و كان يأوى معي و مع ابي حذيفة	''ابو حذیفہ کی بیوی اور سہیل بن عمرو قرشی عامری کی بیٹی سہلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ، ہم تو سالم کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔ وہ میرے اور ابو حذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا اور مجھے گھر کے کپڑوں

۱ مسلم، رقم ۲۶۲۸۔

۲ مسلم، رقم ۲۶۴۲۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فی بیت واحد و یرانی فضلاً، و قد انزل اللّٰہ عزو جل فیھم ما قد علمت، فکیف تری فیہ ؟ فقال لھا النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم : أرضعیہ.

(ابوداؤد، رقم ۱۷۶۴)

میں دیکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم ان لڑکوں کے متعلق نازل کیا ہے، اس سے آپ واقف ہیں۔ اب بتائیے، اس معاملے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنا دودھ پلا دو۔‘‘

لٰہذا یہ بالکل قطعی ہے کہ رضاعت کے لیے دودھ کی عمر اور دودھ پلانے کا اہتمام، دونوں ضروری ہیں اور اس سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسبی تعلق سے حرام ہوتے ہیں۔ قرآن کا مدعا یہی ہے، لیکن اس کے لیے عربیت کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ الفاظ و قرائن کی دلالت اور حکم کے عقلی تقاضے جس مفہوم کو آپ سے آپ واضح کر رہے ہوں، اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا[۳]۔ ارشاد فرمایا ہے: ’وامھاتکم التی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعۃ‘ (اور تمھاری وہ مائیں بھی حرام ہیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور رضاعت کے اس تعلق سے تمھاری بہنیں بھی)۔ اس میں دیکھ لیجیے، رضاعی ماں کے ساتھ رضاعی بہن کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ بات اگر رضاعی ماں ہی پر ختم ہو جاتی تو اس میں بے شک، کسی اضافے کی گنجایش نہ تھی، لیکن رضاعت کا تعلق اگر ساتھ دودھ پینے والی کو بہن بنا دیتا ہے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ رضاعی ماں کے دوسرے رشتوں کو بھی یہ حرمت لازماً حاصل ہو۔ دودھ پینے میں شراکت کسی عورت کو بہن بنا سکتی ہے تو رضاعی ماں کی بہن کو خالہ، اس کے شوہر کو باپ، شوہر کی بہن کو پھوپھی اور اس کی پوتی اور نواسی کو بھتیجی اور بھانجی کیوں نہیں بنا سکتی؟ لٰہذا یہ سب رشتے بھی یقیناً حرام ہیں۔ یہ قرآن کا منشا ہے اور ’اخواتکم من الرضاعۃ‘ کے الفاظ اس پر اس طرح دلالت کرتے ہیں کہ قرآن پر تدبر کرنے والے کسی صاحب علم سے اس کا یہ منشا کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر فرمایا ہے:

یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ. (المؤطا، رقم ۱۱۰۲)

’’ہر وہ رشتہ جو ولادت کے تعلق سے حرام ہے، رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔‘‘

۳؎ اس اسلوب کو سمجھنے کے لیے دیکھیے، اسی کتاب میں: ’’اصول و مبادی‘‘۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مصاہرت

نسب اور رضاعت کے بعد وہ حرمتیں بیان ہوئی ہیں جو مصاہرت پر مبنی ہیں۔اس تعلق سے جو رشتے پیدا ہوتے ہیں، ان کا تقدس بھی فطرت انسانی کے لیے ایسا واضح ہے کہ اس کے لیے کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ باپ کے لیے بہو اور شوہر کے لیے بیوی کی ماں، بیٹی، بہن، بھانجی اور بھتیجی، یہ سب حرام ہیں۔ تاہم یہ رشتے چونکہ بیوی اور شوہر کی وساطت سے قائم ہوتے ہیں اور اس سے ایک نوعیت کا ضعف ان میں پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن نے یہ تین شرطیں ان پر عائد کر دی ہیں:

ایک یہ کہ بیٹی صرف اس بیوی کی حرام ہے جس سے خلوت ہو جائے۔

دوسری یہ کہ بہو کی حرمت کے لیے بیٹے کا صلبی ہونا ضروری ہے۔

تیسری یہ کہ بیوی کی بہن، بھانجی اور بھتیجی کی حرمت اس حالت کے ساتھ خاص ہے، جب میاں بیوی میں نکاح کا رشتہ قائم ہو۔

پہلی بات قرآن میں اس طرح بیان ہوئی ہے: 'وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن، فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم' (اور تمھاری بیویوں کی لڑکیاں جو تمھاری گودوں میں پلی ہیں، ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تم نے خلوت کی ہو، لیکن اگر خلوت نہ کی ہو تو کچھ گناہ نہیں)۔ اس میں خلوت کی شرط کے ساتھ لڑکیوں کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ تمھاری گودوں میں پلی ہیں، لیکن صاف واضح ہے کہ اس کی حیثیت حرمت کے لیے شرط کی نہیں ہے۔

استاذ امام امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> ''عربی زبان میں ہر صفت کو لازماً قید و شرط کی حیثیت حاصل نہیں ہو جاتی کہ ان میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہ حکم کالعدم ہو جائے، بلکہ اس کا انحصار قرینے پر ہوتا ہے۔ قرینہ بتاتا ہے کہ کون سی صفت قید اور شرط کا درجہ رکھتی ہے اور کون سی صفت محض تصویر حال کے لیے ہے۔ یہاں صرف قرینہ ہی نہیں، بلکہ تصریح ہے کہ ربیبہ کی ماں اگر تمھاری مدخولہ نہ بنی ہو تو اس ربیبہ سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ربیبہ کی حرمت میں اصل مؤثر چیز اس کی ماں کا مدخولہ ہونا ہے۔ اگر وہ مدخولہ ہے تو اس کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہو گا، قطع نظر اس سے کہ وہ آغوش تربیت میں پلی ہے یا نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اعلیٰ عربی، بالخصوص قرآن حکیم میں اثبات کے بعد نفی کے اسلوب یا نفی کے بعد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اثبات کے اسلوب میں جو باتیں بیان ہوتی ہیں، وہ محض سخن گسترانہ نہیں ہوتیں، بلکہ کسی خاص فائدے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان سے مقصود اکثر صورتوں میں رفع ابہام ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا خیال قرآن کے خلاف ہے جو ربیبہ کے ساتھ نکاح صرف اس صورت میں حرام سمجھتے ہیں، جب وہ نکاح کرنے والے کے آغوش تربیت میں پلی ہو۔ بصورت دیگر وہ اس کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔''

(تدبر قرآن ۲/۲۷۶)

دوسری بات کے لیے قرآن کے الفاظ ہیں: 'وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم' (اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی)۔ اس میں صلبی ہونے کی شرط بالخصوص اس لیے عائد کی گئی ہے کہ اس زمانے کے عرب میں لوگ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کو ناجائز سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس شرط سے واضح کر دیا کہ کسی کو اپنا بیٹا کہہ دینے سے نہ وہ بیٹا بن جاتا ہے اور نہ اس سے کوئی حرمت قائم ہوتی ہے۔ سورۂ احزاب میں یہ حقیقت قرآن نے اس طرح واضح فرمائی ہے:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ، ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ، وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ، وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ. اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ، هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ، فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْآ اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ. (۳۳: ۴-۵)

''اور نہ اُس نے تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارا بیٹا بنایا ہے۔ یہ سب تمھارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔ اِن کو تم اِن کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک قرین انصاف ہے۔ پھر اگر اِن کے باپوں کو نہیں جانتے تو یہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے رفیق ہیں۔''

تیسری بات 'وان تجمعوا بین الاختین' (اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو) کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ اس میں بھی، اگر غور کیجیے تو زبان کا وہی اسلوب ہے جس کا ذکر اوپر رضاعت کی بحث میں ہوا ہے۔ قرآن نے 'بین الاختین' ہی کہا ہے، لیکن بالبداہت واضح ہے کہ زن وشو کے تعلق میں بہن کے ساتھ بہن کو جمع کرنا اسے فحش بنا دیتا ہے تو پھوپھی کے ساتھ بھتیجی اور خالہ کے ساتھ بھانجی کو جمع کرنا بھی گویا ماں کے ساتھ بیٹی ہی کو جمع کرنا ہے۔ لہٰذا قرآن کا مدعا، لاریب یہی ہے کہ 'ان تجمعوا بین الاختین و

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بیـن المرأة و عمتها و بین المرأة و خالتها' وہ یہی کہنا چاہتا ہے،لیکن 'بین الاختین' کے بعد یہ الفاظ اس نے اس لیے حذف کر دیے ہیں کہ مذکور کی دلالت اپنے عقلی اقتضا کے ساتھ اس محذوف پر ایسی واضح ہے کہ قرآن کے اسلوب سے واقف اس کا کوئی طالب علم اس کے سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا یجمع بین المرأة و عمتها ولا بین المرأة و خالتها.	''عورت اور اس کی پھوپھی ایک نکاح میں جمع ہو سکتی ہے، نہ عورت اور اس کی خالہ۔''

(الموطا، رقم ۹۷۷)

حدود و شرائط

وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ، فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً، وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِیۡضَۃِ، اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا. (النساء ۴: ۲۴)

''اور ان کے ماسوا جو عورتیں ہیں، وہ تمھارے لیے حلال ہیں، اِس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے اُنھیں طلب کرو، اِس شرط کے ساتھ کہ تم پاک دامن رہنے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ (چنانچہ اِس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا) تو جو فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کے مہر اُنھیں ادا کر دو، ایک فرض کے طور پر۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ باہمی رضامندی سے جو کچھ طے کر لو تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم ہے۔''

اس آیت میں نکاح کے لیے جو حدود و شرائط بیان ہوئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

پہلی بات یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح مال یعنی مہر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ ایک فریضہ کی حیثیت سے یہ نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔ چنانچہ ہدایت فرمائی ہے کہ اس سے پہلے اگر کسی عورت کا مہر ادا نہیں کیا گیا تو اسے فوراً ادا کر دیا جائے۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ اسے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اپنے اوپر ایک فرض اور عورت کا حق مان کر آپس کی رضا مندی سے کوئی تقدیم و تاخیر یا کمی بیشی اگر کر لی جائے تو اس کی اجازت ہے، لیکن اتنی بات ہر شخص پر واضح رہنی چاہیے کہ جس ہستی نے یہ قانون دیا ہے، وہ علیم و حکیم ہے۔ اس کی ہر بات بے خطا علم اور گہری حکمت پر مبنی ہے۔ لہٰذا نہ اس قانون کی خلاف ورزی کسی کے لیے جائز ہے اور نہ اس میں کسی ترمیم و تغیر کی جسارت کسی شخص کو کرنی چاہیے۔

یہ مہر کیا ہے؟ مرد و عورت نکاح کے ذریعے سے مستقل رفاقت کا جو عہد باندھتے ہیں، اس میں نان و نفقہ کی ذمہ داریاں ہمیشہ سے مرد اٹھاتا رہا ہے، یہ اس کی علامت (Token) ہے۔ قرآن میں اس کے لیے 'صدقة' اور 'اجر' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی وہ رقم جو عورت کی رفاقت کے صلے میں اس کی ضرورتوں کے لیے دی جائے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ نکاح اور خطبے کی طرح یہ بھی ایک قدیم سنت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں اسی طرح رائج تھی۔ بائیبل میں بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے۔[۴]

اس کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

''جس معاملے کے ساتھ ادائے مال کی شرط لگی ہو اور اس ادائے مال کی حیثیت محض تبرع اور احسان کی نہ ہو، بلکہ ایک فریضہ کی ہو، یہاں تک کہ اگر وہ مذکور نہ بھی ہو، جب بھی لازماً مضمر سمجھا جائے اور عورت کی حیثیت عرفی کے اعتبار سے اس کی ادائیگی واجب قرار پائے، شرعاً و عرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش آدمی ایسے معاہدے میں ایک پارٹی بننے کی جرأت نہ کرے گا، جب تک وہ سو بار سوچ کر اس میں شرکت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کرے ـــــ ان مصالح سے مہر کی شرط ضروری ہوئی۔ جن لوگوں کی نظر ان مصالح کی طرف نہیں گئی، وہ سمجھتے ہیں کہ اس شرط نے عورت کو ایک خریدنی و فروختنی شے کے درجے تک گرا دیا ہے۔ یہ خیال محض ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ یہ شرط تو ایک آگاہی ہے کہ جو بھی عورت کے حرم میں قدم رکھنا چاہے، وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم رکھے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں کسی مذاق کی گنجایش نہیں ہے۔ یہاں مذاق بھی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے:

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را''

(تدبر قرآن ۲/۲۷۸)

---

۴ پیدایش ۳۴: ۱۲، خروج ۲۲: ۱۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ اسے معاشرے کے دستور اور لوگوں کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ عورت کی سماجی حیثیت اور مرد کے معاشی حالات کی رعایت سے وہ جتنا مہر چاہیں، مقرر کر سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

سہل بن سعد کا بیان ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ، اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ اپنے آپ کو حضور کے لیے پیش کر دوں۔ سہل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا، اوپر سے نیچے تک نظر ڈالی، پھر سر جھکا لیا۔ عورت نے محسوس کیا کہ آپ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک شخص آپ کے صحابہ میں سے اٹھا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ، آپ کو ضرورت نہیں تو اسے میرے ساتھ بیاہ دیجیے۔ آپ نے پوچھا: تمھارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا: بخدا، نہیں، یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: اپنے گھر جاؤ اور دیکھو، شاید کچھ مل جائے۔ وہ گیا، پھر لوٹ کے آیا اور بتایا کہ خدا کی قسم، کوئی چیز نہیں۔ فرمایا: دیکھو تو سہی، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ وہ دوبارہ گیا اور واپس آ کر عرض کی: اللہ گواہ ہے کہ وہ بھی نہیں ہے۔ ہاں، یہ تہ بند ضرور ہے ـــــ سہل کہتے ہیں کہ اس کے پاس اوڑھنے کی چادر بھی نہیں تھی ـــــ اس نے عرض کی: یہ تہ بند آدھا اسے دے دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرا تہ بند لے کر کیا کرے گی۔ تم پہنو گے تو اس پر کچھ نہیں ہو گا اور یہ پہنے گی تو تمھارے پاس کچھ نہ رہے گا۔ اس پر وہ شخص بیٹھ گیا۔ پھر کافی دیر ہو گئی تو جانے کے لیے اٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے بلایا گیا تو آپ نے پوچھا: تمھیں قرآن کتنا آتا ہے؟ اس نے عرض کی: مجھے فلاں اور فلاں سورتیں آتی ہیں اور گن کر بتائیں۔ آپ نے فرمایا: کیا زبانی یاد ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ ارشاد فرمایا: میں نے اس قرآن کے صلے میں اسے تمھارے ساتھ بیاہ دیا۔[۵]

دوسری بات آیۂ زیر بحث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح کے لیے پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ کوئی زانی یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی عفیفہ سے بیاہ کرے اور نہ کوئی زانیہ یہ حق رکھتی ہے کہ کسی مرد عفیف کے نکاح میں آئے، الاّ یہ کہ معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو اور وہ توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے آپ کو اس گناہ

۵؎ بخاری، رقم ۴۶۹۷۔ روایت کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ قرآن اسے پڑھا دو گے اور تمھاری طرف سے یہی اس کا مہر ہو جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سے پاک کرلیں۔ 'محصنین ، غیر مسافحین' کے الفاظ یہاں اسی شرط کے لیے آئے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن نے یہ بات اس طرح واضح فرمائی ہے:

اَلزَّانِیُ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ، وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ . (النور ۲۴:۳)	''یہ زانی نکاح نہ کرنے پائے، مگر زانیہ اور مشرکہ کے ساتھ اور اس زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے، مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اور اہل ایمان پر یہ بہرحال حرام ٹھیرایا گیا ہے[۶]۔''

اس آیت میں بھی صاف اشارہ ہے اور دوسرے الہامی صحائف سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ زنا اور شرک بالکل مماثل ہیں۔ جس طرح یہ بات گوارا نہیں کی جا سکتی کہ میاں اور بیوی میں سے کوئی کسی دوسرے کے بستر پر سوئے، اسی طرح یہ بات بھی کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں ہو سکتی کہ اس کے گھر میں خدا کے ساتھ کسی اور کی پرستش کی جائے۔ بلکہ یہ اس کے نزدیک کسی اور کے بستر پر سونے سے زیادہ قابل نفرت چیز ہے۔ زنا اور شرک کی یہ مماثلت سمجھی جا سکتی تھی، لیکن قرآن نے دوسری جگہ اسے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے:

وَ لَا تَنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکٰتِ حَتّٰی یُؤۡمِنَّ ، وَ لَاَمَۃٌ مُّؤۡمِنَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکَۃٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ ، وَ لَا تُنۡکِحُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ حَتّٰی یُؤۡمِنُوۡا ، وَ لَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَکُمۡ . (البقرہ ۲:۲۲۱)	''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور (یاد رکھو کہ) ایک مسلمان لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمھیں کتنی ہی بھلی لگے۔ اور اپنی عورتیں مشرکین کے نکاح میں نہ دو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور (یاد رکھو کہ) ایک مسلمان غلام مشرک شریف زادے سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمھیں کتنا ہی بھلا لگے[۷]۔''

۶؎ بعض روایتوں میں بھی یہ بات اسی صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: ابوداؤد، رقم ۲۰۵۱، ۲۰۵۲۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے اسی کتاب میں: ''حدود و تعزیرات''۔

یہود و نصاریٰ بھی علم و عمل، دونوں میں شرک جیسی نجاست سے پوری طرح آلودہ تھے، لیکن اس کے باوجود وہ چونکہ اصلاً توحید ہی کے ماننے والے ہیں، اس لیے اتنی رعایت اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ ان کی پاک دامن عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دے دی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ، اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ، مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ، وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ. (المائدہ ۵:۵)

''اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں بھی (حلال ہیں)، جب تم اُن کے مہر ادا کرو، اِس شرط کے ساتھ کہ تم بھی پاک دامن رہنے والے ہو، نہ بدکاری کرنے والے اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے والے۔''

آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ یہ اجازت اس وقت دی گئی، جب توحید کے معاملے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا اور مشرکانہ تہذیب پر اس کا غلبہ ہر لحاظ سے قائم ہو گیا۔ اس کے لیے آیت کے شروع میں لفظ 'الیوم' کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں وقت کے حالات کو بھی یقیناً دخل تھا۔ لہٰذا اس بات کی پوری توقع تھی کہ مسلمان ان عورتوں سے نکاح کریں گے تو یہ ان سے متاثر ہوں گی اور اس طرح شرک و توحید کے مابین کوئی تصادم نہ صرف یہ کہ پیدا نہیں ہو گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں بہت سی ایمان و اسلام سے مشرف ہو جائیں۔

چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے وقت یہ چیز اس زمانے میں بھی لازماً ملحوظ رہنی چاہیے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ نکاح خاندان کے جس ادارے کو وجود میں لانے کے لیے کیا جاتا ہے، اس کی حرمت کا تقاضا ہے کہ یہ والدین اور سرپرستوں کو ساتھ لے کر اور ان کی رضامندی سے کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نکاح میں فیصلہ اصلاً مرد و عورت کرتے ہیں اور ان کے علانیہ ایجاب و قبول سے یہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیا کا اذن اگر اس میں شامل نہیں ہے تو اس کی کوئی معقول وجہ لازماً سامنے آنی چاہیے۔ یہ نہ ہو تو معاشرے کا نظم اجتماعی یہ حق رکھتا ہے کہ اس نکاح کو باطل قرار دے[۸]۔ 'لا

---

[۷] سورۂ ممتحنہ (۶۰) کی آیت ۱۰ میں جن کافروں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس کا باعث بھی ان کا شرک ہی ہے۔ آیت سے واضح ہے کہ اس میں کافروں سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

نکاح الا بولی[9]' (سرپرست کے بغیر کوئی نکاح نہیں) اوراس طرح کی دوسری روایتوں میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔عورت کی بغاوت چونکہ اس معاملے میں خاندان کے لیے غیر معمولی اختلال کا باعث بن جاتی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے اولیا پر واضح کر دیا ہے کہ اس کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ اس کی اجازت کے بغیر نہ کریں، ورنہ عورت چاہے گی تو ان کا یہ فیصلہ رد کر دیا جائے گا۔

ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ کا نکاح اس سے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کی اجازت ضروری ہے۔لوگوں نے پوچھا: اس کی اجازت کیسے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ خاموش رہے تو یہی اجازت ہے[10]۔

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بیوہ اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے اور کنواری سے اجازت لینی چاہیے[11]۔

بنت خذام کہتی ہیں کہ وہ بیوہ ہوئیں تو ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا۔انھیں یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے انھیں نکاح ختم کرنے کی اجازت دے دی[12]۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حقوق و فرائض

[۱]

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ، فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ، حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ، وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی

---

۸ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس دوران میں جو کچھ ہو چکا ہے، اسے ناجائز قرار دیا جائے گا، بلکہ یہی ہیں کہ اسے آیندہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔

۹ ابوداؤد، رقم ۲۰۸۵۔

۱۰ بخاری، رقم ۴۷۴۱۔

۱۱ مسلم، رقم ۲۵۴۵۔

۱۲ بخاری، رقم ۴۷۴۳۔

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ، فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا . (النساء۴:۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اِس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اِس لیے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اِس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔ اور جن سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو، اُنھیں نصیحت کرو، اور اُن کے بستروں میں اُنھیں تنہا چھوڑ دو اور (اِس پر بھی نہ مانیں تو) اُنھیں سزا دو۔ پھر اگر وہ اطاعت کریں تو اُن پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک، اللہ بہت بلند ہے، وہ بہت بڑا ہے۔''

اس آیت سے اوپر کے پیرے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ انسان کے لیے جدوجہد اور مسابقت کا اصلی میدان اس کی خلقی صفات نہیں ہیں، اس لیے کہ خلقی صفات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فی الواقع ترجیح حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ذہنی، کسی کو جسمانی، کسی کو معاشی اور کسی کو معاشرتی برتری کے ساتھ پیدا کیا اور دوسروں کو اس کے مقابلے میں کم تر رکھا ہے۔ مرد و عورت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ان میں زوجین کا تعلق ایک کو فاعل اور دوسرے کو منفعل بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فعلیت جس طرح غلبہ، شدت اور تحکم چاہتی ہے، انفعالیت اسی طرح نرمی، نزاکت اور اثر پزیری کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ یہ ان کی خلقی صفات ہیں۔ ان میں اگر مسابقت اور تنافس کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو یہ فطرت کے خلاف جنگ ہو گی جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ بالآخر دونوں اپنی بربادی کا ماتم کرنے کے لیے باقی رہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا میدان بھی ہے اور وہ اکتسابی صفات کا میدان ہے۔ یہ نیکی، تقویٰ، عبادت، ریاضت اور علم و اخلاق کا میدان ہے۔ قرآن نے اس کے لیے جگہ جگہ ایمان اور عمل صالح کی جامع تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ مسابقت اور تنافس کا میدان درحقیقت یہی ہے۔ اس میں بڑھنے کے لیے کسی پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ مسابقت اس میدان میں اتنی ہی محمود ہے، جتنی خلقی صفات کے میدان میں مذموم ہے۔ مرد بڑھے تو اسے بھی اپنی جدوجہد کا پھل ملے گا اور عورت بڑھے تو وہ بھی اپنی تگ و دو کا ثمرہ پائے گی۔ بانو، باندی، آزاد، غلام، شریف، وضیع، خوب صورت، بدصورت اور بینا و نابینا، سب کے لیے یہ میدان یکساں کھلا ہوا ہے۔ دوسروں پر فضیلت کی خواہش ہو تو انسان کو اس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میدان میں خدا کا فضل تلاش کرنے کے لیے نکلنا چاہیے۔ اپنی محنت غلط میدان میں برباد کرنے سے لاحاصل تصادم اور بے فائدہ تنازعات کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ حوصلہ آزمانے اور ارمان نکالنے کے لیے صحیح میدان یہ ہے۔ جس کو اترنا ہو، وہ اس میدان میں اترے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ، لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ، وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا. (النساء۴:۳۲)

''اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اُس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا ہے، اُن کو بھی اُس میں سے حصہ ملے گا اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے، وہ بھی اُس میں سے اپنا حصہ پائیں گی۔ اور اللہ سے اُس کا فضل چاہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

اسی ہدایت کو رہنما اصول قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے آیۂ زیر بحث میں خاندان کی تنظیم کے لیے اپنا قانون بیان فرمایا ہے۔ خاندان کا ادارہ بھی، اگر غور کیجیے تو ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس طرح ہر ریاست اپنے قیام و بقا کے لیے ایک سربراہ کا تقاضا کرتی ہے، اسی طرح یہ ریاست بھی ایک سربراہ کا تقاضا کرتی ہے۔ سربراہی کا مقام اس ریاست میں مرد کو بھی دیا جا سکتا تھا اور عورت کو بھی۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ مرد کو دیا گیا ہے۔ آیت میں اس کے لیے 'قوامون علی النساء' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں 'قام' کے بعد 'علی' آتا ہے تو اس میں حفاظت، نگرانی، تولیت اور کفالت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ سربراہی کی حقیقت یہی ہے اور اس میں یہ سب چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنے اس فیصلے کے حق میں قرآن نے دو دلیلیں دی ہیں۔ استاذ امام ان کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوق حاصل ہے جس کی بنا پر وہی سزاوار ہے کہ قوامیت کی ذمہ داری اسی پر ڈالی جائے۔ مثلاً محافظت و مدافعت کی جو قوت و صلاحیت یا کمانے اور ہاتھ پاؤں مارنے کی جو استعداد و ہمت اس کے اندر ہے، وہ عورت کے اندر نہیں ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث کلی فضیلت نہیں ہے، بلکہ صرف وہ فضیلت ہے جو مرد کی قوامیت کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔ بعض دوسرے پہلو عورت کی فضیلت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے بھی ہیں، لیکن ان کو قوامیت سے تعلق نہیں ہے۔ مثلاً عورت گھر درسنبھالنے اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کی جو صلاحیت رکھتی ہے، وہ مرد نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے قرآن نے یہاں بات ابہام کے انداز میں فرمائی ہے جس سے مرد اور عورت، دونوں کا کسی نہ کسی پہلو سے صاحب فضیلت ہونا نکلتا ہے[۱۳]، لیکن قوامیت کے پہلو سے مرد ہی کی فضیلت کا پہلو راجح ہے۔

دوسری یہ کہ مرد نے عورت پر اپنا مال خرچ کیا ہے۔ یعنی بیوی بچوں کی معاشی اور کفالتی ذمہ داری تمام اپنے سر اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری مرد نے اتفاقیہ یا تبرعاً نہیں اٹھائی ہے، بلکہ اس وجہ سے اٹھائی ہے کہ یہ ذمہ داری اسی کے اٹھانے کی ہے۔ وہی اس کی صلاحیتیں رکھتا ہے اور وہی اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۹۱)

میاں اور بیوی کے تعلق میں شوہر کو قوام قرار دینے کے بعد خاندان کے نظم کو صلاح وفلاح کے ساتھ قائم رکھنے کے لیے عورتوں سے جس چیز کا تقاضا کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

۱۔ انھیں اپنے شوہر کے ساتھ موافقت اور فرماں برداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

۲۔ شوہر کے رازوں اور اس کی عزت وناموس کی حفاظت کرنی چاہیے۔

پہلی بات تو محتاج وضاحت نہیں، اس لیے کہ نظم خواہ ریاست کا ہو یا کسی ادارے کا، اطاعت اور موافقت کے بغیر ایک دن کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نظم کی فطرت ہے۔ اسے نہ مانا جائے تو وہ نظم نہیں، بلکہ اختلال وانتشار ہوگا جس کے ساتھ کوئی ادارہ بھی وجود میں نہیں آتا۔

رہی دوسری بات تو اس کے لیے قرآن نے 'حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ' کی تعبیر اختیار کی ہے۔ عام طور پر اس کے معنی پیٹھ پیچھے کی حفاظت کے لیے گئے ہیں۔ ہم نے اسے رازوں کی حفاظت کرنے والی کے معنی میں لیا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

''یہ معنی لینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ 'غیب' کا لفظ راز کے مفہوم کے لیے مشہور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ترکیب کلام ایسی ہے کہ پیٹھ پیچھے کے معنی لینے کی گنجایش نہیں۔ تیسری یہ کہ عورت اور مرد کے درمیان رازوں کی امانت داری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والا مسئلہ ہے۔ یہ دونوں ایک

۱۳؎ چنانچہ اولاد اور والدین کے تعلق میں اسی بنا پر ماں کو باپ پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس معاملے میں قرآن کا نقطۂ نظر ہم آگے اس کے محل میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دوسرے کے قدرتی امین ہیں۔ بالخصوص عورت کا مرتبہ تو یہ ہے کہ وہ مرد کے محاسن و معائب، اس کے گھر در، اس کے اموال و املاک اور اس کی عزت و ناموس، ہر چیز کی ایسی راز دان ہے کہ اگر وہ اس کا پردہ چاک کرنے پر آ جائے تو مرد بالکل ہی ننگا ہو کر رہ جائے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس صفت کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اس کے ساتھ 'حفظ اللّٰہ' کا جو اضافہ ہے، اس سے اس صفت کی عالی نسبی کا اظہار مقصود ہے کہ ان کی اس صفت پر خدا کی صفت کا ایک پرتو ہے، اس لیے کہ خدا نے بھی اپنے بندوں اور بندیوں کے رازوں کی حفاظت فرمائی ہے۔ ورنہ وہ لوگوں کا پردہ چاک کرنے پر آ جاتا تو کون ہے جو کہیں منہ دکھانے کے قابل رہ جاتا۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۲۹۲)

قرآن نے فرمایا ہے کہ صالح بیویوں کا رویہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو عورتیں سرکشی اور تمرد اختیار کریں یا گھر کے راز دوسروں پر افشا کرتی پھریں، وہ خدا کی نگاہ میں ہرگز صالحات نہیں ہیں۔

لیکن کوئی عورت اگر اس طرح کی سرکشی پر اتر ہی آئے تو مرد کیا اس کی تادیب کر سکتا ہے؟ قرآن نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ آیۂ زیر بحث میں اس سرکشی کے لیے 'نشوز' کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی سر اٹھانے کے ہیں، مگر اس کا زیادہ استعمال اس سرکشی اور شوریدہ سری کے لیے ہوتا ہے جو کسی عورت کی طرف سے اس کے شوہر کے مقابل میں ظاہر ہو۔ یہ لفظ عورت کی ہر کوتاہی، غفلت یا بے پروائی یا اپنے ذوق اور رائے اور اپنی شخصیت کے اظہار کی فطری خواہش کے لیے نہیں بولا جاتا، بلکہ اس رویے کے لیے بولا جاتا ہے، جب وہ شوہر کی قوامیت کو چیلنج کر کے گھر کے نظام کو بالکل تلپٹ کر دینے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ معاملہ یہاں تک پہنچ رہا ہو تو مرد تین صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔

پہلی یہ کہ عورت کو نصیحت کی جائے۔ آیت میں اس کے لیے 'وعظ' کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی حد تک زجر و توبیخ بھی ہو سکتی ہے۔

دوسری یہ کہ اس سے بے تکلفانہ قسم کا خلا ملا ترک کر دیا جائے تاکہ اسے اندازہ ہو کہ اس نے اپنا رویہ نہ بدلا تو اس کے نتائج غیر معمولی ہو سکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ عورت کو جسمانی سزا دی جائے۔ یہ سزا، ظاہر ہے کہ اتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی کوئی معلم اپنے زیر تربیت شاگردوں کو، یا کوئی باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد 'غیر مبرح[١٤]' کے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الفاظ سے متعین فرمائی ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی سزا نہ دی جائے جو کوئی پائدار اثر چھوڑے۔

آیت کے انداز بیان سے واضح ہے کہ ان تینوں میں ترتیب و تدریج ملحوظ ہے۔یعنی پہلی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری صورت اسی وقت اختیار کرنی چاہیے، جب آدمی مطمئن ہو جائے کہ بات نہیں بنی اور اگلا قدم اٹھانے کے سوا چارہ نہیں رہا۔مرد کے تادیبی اختیارات کی یہ آخری حد ہے۔قرآن نے فرمایا ہے کہ اگر اس سے اصلاح ہو جائے تو عورت کے خلاف انتقام کی راہیں نہیں ڈھونڈنی چاہییں۔ چنانچہ 'ان اللّٰه کان علیاً کبیراً' کے الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سب سے بلند اور سب سے بڑا خدا ہے۔ وہ جب آسمان وزمین کا مالک ہو کر بندوں کی سرکشی سے درگزر فرماتا ہے اور توبہ واصلاح کے بعد نافرمانیوں کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے بندوں کو بھی دوسروں پر اختیار پا کر اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

[۲]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا، وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ، وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا . (النساء۴:۱۹)

''ایمان والو، تمھارے لیے جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ جو کچھ اُنھیں دیا ہے، اُس کا کچھ حصہ واپس لینے کے لیے اُنھیں تنگ کرو۔ہاں، اُس صورت میں کہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کریں۔اور اُن سے بھلے طریقے کا برتاؤ کرو، اِس لیے کہ تمھیں وہ پسند نہیں ہیں تو ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اُسی میں تمھارے لیے بہت بڑی بہتری پیدا کر دے۔''

یہ عورتوں کے حقوق اور ان سے متعلق صحیح رویے کا بیان ہے۔

پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ عورتیں کوئی مال مواشی نہیں ہیں کہ جس کو میراث میں ملیں، وہ انھیں لے جا کر اپنے باڑے میں باندھ لے۔ان کی حیثیت ایک آزاد ہستی کی ہے۔وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں اور

۱۴؎ ابوداؤد، رقم ۱۸۷۸۔

حدود الٰہی کے اندر اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہیں۔اس ہدایت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عرب جاہلیت کے بعض طبقوں میں یہ رواج تھا کہ مرنے والے کی جائداد اور اس کے مال مواشی کی طرح اس کی بیویاں بھی وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی تھیں اور وہ اگر اس کے بیٹے بھی ہوتے تو بغیر کسی تردد کے ان کے ساتھ زن وشو کا تعلق قائم کر لیتے تھے۔قرآن نے اس قبیح رسم کا خاتمہ کر دیا اور واضح فرمایا کہ عورتیں اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہیں۔ان کی مرضی کے بغیر کوئی چیز ان پر مسلط نہیں کی جا سکتی۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ بیوی اگر ناپسند بھی ہو تو اس سے اپنا دیا دلایا واپس لینے کے لیے اس کو ضیق میں ڈالنے اور تنگ کرنے کی کوشش کسی بندۂ مومن کے لیے جائز نہیں ہے۔اس طرح کا رویہ صرف اس صورت میں گوارا کیا جا سکتا ہے، جب وہ کھلی ہوئی بدکاری کرنے لگے۔اس قسم کی کوئی چیز اگر اس سے صادر نہیں ہوئی ہے، وہ اپنی وفاداری پر قائم ہے اور پاک دامنی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے تو محض اس بنیاد پر کہ بیوی پسند نہیں ہے، اس کو تنگ کرنا عدل وانصاف اور فتوت وشرافت کے بالکل منافی ہے۔ اخلاقی فساد، بے شک قابل نفرت چیز ہے، لیکن محض صورت کے ناپسند ہونے یا کسی ذوقی عدم مناسبت کی بنا پر اسے شریفانہ معاشرت کے حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود ان کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرو جو شریفوں کے شایان شان ہو، عقل وفطرت کے مطابق ہو، رحم ومروت پر مبنی ہو، اس میں عدل وانصاف کے تقاضے ملحوظ رہے ہوں۔اس کے لیے آیت میں 'وعاشروھن بالمعروف' کے الفاظ آئے ہیں۔'معروف' کا لفظ قرآن مجید میں خیر وصلاح کے رویوں اور شرفا کی روایات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہ اسی مفہوم میں ہے۔مدعا یہ ہے کہ بیوی پسند ہو یا ناپسند، بندۂ مومن سے اس کے پروردگار کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر حال میں نیکی اور خیر کا رویہ اختیار کرے اور فتوت وشرافت کی جو روایت انسانی معاشروں میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے، اس سے سر مو انحراف نہ کرے۔چنانچہ فرمایا ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود شوہر اگر اس سے اچھا برتاؤ کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی برکتوں کے بہت سے دروازے اسی کے ذریعے سے اس کے لیے کھول دیے جائیں۔

اس آخری بات کے لیے جو الفاظ آیت میں آئے ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے ان کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وضاحت میں لکھا ہے:

''یہاں لفظ اگرچہ 'عسٰی' استعمال ہوا ہے جو عربی میں صرف اظہار امید اور اظہار توقع کے لیے آتا ہے، لیکن عربیت کے اداشناس جانتے ہیں کہ اس طرح کے مواقع میں، جیسا کہ یہاں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا وعدہ مضمر ہوتا ہے۔ اس اشارے کے پیچھے جو حقیقت جھلک رہی ہے، وہ یہی ہے کہ جو لوگ ظاہری شکل وصورت کے مقابل میں اعلیٰ اخلاق اور انسانی اقدار کو اہمیت اور ان کی خاطر اپنے جذبات کی قربانی دیں گے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر کا وعدہ ہے۔ جن لوگوں نے اس وعدے کے لیے بازیاں کھیلی ہیں، وہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ بات سوفی صدی حق ہے اور خدا کی بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۷۰)

اس سے واضح ہے کہ جب ناپسندیدگی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے تو عام حالات میں بیوی کے ساتھ کوئی غلط رویہ اللہ کی کس قدر ناراضی کا باعث ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا ہے:

استوصوا بالنساء خيراً ، فإنهن عندكم عوان ، ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك، إلّا أن يأتين بفاحشة مبينة ، فإن فعلن فاهجروهن فى المضاجع ، واضربوهن ضرباًغير مبرح، فإن اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً ، إن لكم من نسائكم حقاً ، و لنسائكم عليكم حقاً، فأما حقكم على نسائكم فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ،

''عورتوں کے لیے اچھے برتاؤ کی نصیحت قبول کرو، اس لیے کہ (حقوق زوجیت کے لیے) وہ تمھاری پابند ہیں۔ تم ان پر اس کے سوا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں اگر وہ کھلی ہوئی بدکاری کریں تو تم کو حق ہے کہ ان کے بستروں میں انھیں تنہا چھوڑ دو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) انھیں پیٹو، مگر اتنا جو کوئی نشان نہ چھوڑے۔ پھر اگر وہ اطاعت کریں تو ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک، عورتوں پر تمھارا حق ہے اور تم پر بھی ان کے حقوق ہیں۔ تمھارا حق تو یہ ہے کہ تمھارے ناپسندیدہ کسی شخص کو وہ نہ تمھارا بستر پامال کرنے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ولا یأذن فی بیوتکم لمن تکرھون، ألا وحقھن علیکم أن تحسنوا إلیھن فی کسوتھن و طعامھن۔

دیں نہ تمھارے گھر میں آنے کی اجازت دیں۔ سنو! اور ان کا حق یہ ہے کہ (اپنی استطاعت کے مطابق) انھیں اچھے سے اچھا کھلاؤ اور اچھے سے اچھا پہناؤ۔''

(ابن ماجہ، رقم ۱۸۴۱)

تعدد ازواج

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا . وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحْلَۃً فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْہُ نَفْسًا فَکُلُوْہُ ھَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا.(النساء۴: ۳۔۴)

''اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (اُن کی) جو (مائیں) تمھارے لیے جائز ہوں، اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ پھر اگر اِس بات کا ڈر ہو کہ (اِن کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی یا پھر وہ جو ملک یمین کی بنا پر تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اِس بات کے زیادہ قرین ہے کہ تم بے انصافی سے بچے رہو۔ اور اِن عورتوں کو بھی اِن کے مہر دو اُسی طرح جس طرح مہر دیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اُسے شوق سے کھا لو۔''

اس آیت کے مخاطب یتیموں کے سرپرست ہیں۔ اس میں انھیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اگر یہ اندیشہ رکھتے ہیں کہ یتیموں کے اموال واملاک اور حقوق کی نگہداشت جیسی کچھ ہونی چاہیے، وہ کوئی آسان کام نہیں ہے اور وہ تنہا اس ذمہ داری سے حسن وخوبی کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تو انھیں چاہیے کہ ان کی ماؤں میں سے جو ان کے لیے جائز ہوں، ان کے ساتھ نکاح کر لیں۔ وہ اگر اس ذمہ داری میں شریک ہو جائیں گی تو وہ زیادہ بہتر طریقے پر اسے پورا کر سکیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یتیموں کے ساتھ جو دلی تعلق ان کی ماؤں کو ہو سکتا ہے اور ان کے حقوق کی نگہداشت جس بیداری کے ساتھ وہ کر سکتی ہیں، وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

اس سے واضح ہے کہ یہ آیت اصلاً تعدد ازواج سے متعلق کوئی حکم بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی، بلکہ یتیموں کی مصلحت کے پیش نظر تعدد ازواج کے اس رواج سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب کے لیے نازل ہوئی ہے جو عرب میں پہلے سے موجود تھا۔ قرآن نے دوسرے مقامات پر صاف اشارہ کیا ہے کہ انسان کی تخلیق جس فطرت پر ہوئی ہے، اس کی رو سے خاندان کا ادارہ اپنی اصلی خوبیوں کے ساتھ ایک ہی مرد و عورت میں رشتۂ نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ جگہ جگہ بیان ہوا ہے کہ انسانیت کی ابتدا سیدنا آدم سے ہوئی ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بیوی پیدا کی تھی۔ یہ تمدن کی ضروریات اور انسان کے نفسی، سیاسی اور سماجی مصالح ہیں جن کی بنا پر تعدد ازواج کا رواج کم یا زیادہ، ہر معاشرے میں رہا ہے اور انھی کی رعایت سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کسی شریعت میں اسے ممنوع قرار نہیں دیا۔ یہاں بھی اسی نوعیت کی ایک مصلحت میں اس سے فائدہ اٹھانے کی طرف رہ نمائی فرمائی گئی ہے۔ تاہم اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ دو شرطیں اس پر عائد کر دی ہیں:

ایک یہ کہ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت جیسی مصلحت کے لیے بھی عورتوں کی تعداد کسی شخص کے نکاح میں چار سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔[15]

دوسری یہ کہ بیویوں کے درمیان انصاف کی شرط ایک ایسی اٹل شرط ہے کہ آدمی اگر اسے پورا نہ کر سکتا ہو تو اس طرح کی کسی اہم دینی مصلحت کے پیش نظر بھی ایک سے زیادہ نکاح کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

اس انصاف کے حدود کیا ہیں؟ اس سے مراد اگر دل کے میلان اور ظاہری برتاؤ میں پوری مساوات ہے تو یہ کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ کوئی شخص اگر اپنی ایک پسندیدہ بیوی رکھتے ہوئے کسی عورت سے صرف اس لیے نکاح کرتا ہے کہ اس کے یتیم بچوں کے حقوق صحیح طریقے پر ادا ہو سکیں تو یہ ناممکن ہے کہ وہ ان دونوں بیویوں سے یکساں محبت اور یکساں برتاؤ کا رویہ اختیار کر سکے۔ یہ سوال زمانۂ نزول قرآن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ قرآن نے آگے اسی سورۂ نساء کی آیات ۱۲۷۔ ۱۳۰ میں اس کا جواب دیا ہے۔

۱۵؎ چنانچہ قیس بن حارث کے بارے میں روایت ہے کہ ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔ وہ اسلام لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر ان کو حکم دیا کہ چار بیویاں رکھ لیں اور باقی کو چھوڑ دیں۔ ملاحظہ ہو: ابوداؤد، رقم ۲۲۴۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس میں پہلے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ نکاح یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے لیے کیا گیا ہو یا کسی اور مقصد سے، مہر اور عدل عورت کا حق ہے اور یہ، جس طرح کہ آیت ۳ میں تاکید کی گئی ہے، نہایت خوش دلی کے ساتھ ادا ہونا چاہیے۔ پھر عورت کو نصیحت کی ہے کہ اگر اسے یہ اندیشہ ہو کہ بیویوں میں برابری کے حقوق پر اصرار کے نتیجے میں مرد اس سے بے پروائی برتے گا یا پیچھا چھڑانے کی کوشش کرے گا تو اس میں حرج نہیں کہ دونوں مل کر آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا، وَالصُّلْحُ خَيْرٌ، وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ، وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا، فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. (۴: ۱۲۸)

''اور اگر (اِن میں سے) کسی عورت کو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو اِس میں حرج نہیں کہ دونوں آپس میں کوئی سمجھوتا کر لیں، اور (سمجھیں کہ اِس معاملے میں) سمجھوتا ہی بہتر ہے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) حرص لوگوں کی سرشت میں ہے۔ اور اگر تم اچھا رویہ اختیار کرو گے اور اللہ سے ڈرو گے تو (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) جو کچھ تم کرو گے، اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔''

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

''یعنی عورت اپنے حق مہر، عدل اور نان نفقے کے معاملے میں ایسی رعایتیں شوہر کو دے دے کہ قطع تعلق کا اندیشہ رفع ہو جائے۔ فرمایا کہ صلح اور سمجھوتے ہی میں بہتری ہے، اس لیے کہ میاں اور بیوی کا رشتہ ایک مرتبہ قائم ہو جانے کے بعد فریقین کی فلاح اسی میں ہے کہ یہ قائم ہی رہے، اگرچہ اس کے لیے کتنا ہی ایثار کرنا پڑے۔ فرمایا کہ حرص طبائع کی عام بیماری ہے جو باہمی تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ یا تو دونوں فریق ایثار پر آمادہ ہوں اور اگر ایک فریق کا مرض لاعلاج ہے تو دوسرا قربانی پر آمادہ ہو۔ غرض رشتۂ نکاح کو برقرار رکھنے کے لیے اگر عورت کو قربانی بھی دینی پڑے تو بہتری اس کے برقرار رہنے ہی میں ہے۔ اس کے بعد 'ان تحسنوا و تتقوا' کے الفاظ سے مرد کو ابھارا ہے کہ ایثار و قربانی اور احسان و تقویٰ کا میدان اصلاً اسی کے شایان شان ہے۔ وہ اپنی فتوت اور

مردانگی کی لاج رکھے اور عورت سے لینے والا بننے کی بجائے اس کو دینے والا بنے۔ اللہ ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے اور ہر نیکی کا وہ بھرپور صلہ دے گا۔'' (تدبر قرآن ۲/۳۹۹)

اس کے بعد عدل کے حدود اس طرح واضح فرمائے ہیں:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ، فَلَاتَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ، وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا، فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ، وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا. (۴: ۱۲۹-۱۳۰)

''اور تم اگر چاہو بھی تو عورتوں کے درمیان پورا پورا عدل تو کر ہی نہیں سکتے۔ اِس لیے یہی کافی ہے کہ کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ دوسری اُدھر میں لٹکتی رہ جائے۔ اور اگر اصلاح کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ اور اگر (میاں اور بیوی)، دونوں (بالآخر) جدا ہی ہو جائیں گے تو اللہ اُن میں سے ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا، اور اللہ بڑی وسعت رکھنے والا، بڑا صاحب حکمت ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان جس عدل کا تقاضا قرآن نے کیا ہے، اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ظاہر کے برتاؤ اور دل کے لگاؤ میں کسی پہلو سے کوئی فرق باقی نہ رہے۔ اس طرح کا عدل کسی کی طاقت میں نہیں ہے اور کوئی شخص یہ کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ دل کے میلان پر آدمی کو اختیار نہیں ہوتا، لہٰذا قرآن کا تقاضا صرف یہ ہے کہ شوہر ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جائے کہ دوسری بالکل معلق ہو کر رہ جائے گویا کہ اس کا کوئی شوہر نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ برتاؤ اور حقوق میں اپنی طرف سے توازن قائم رکھنے کی کوشش کرو، اگر کوئی حق تلفی یا کوتاہی ہو جائے تو فوراً تلافی کر کے اپنے رویے کی اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمھاری اس کوشش کے باوجود اگر کوئی فروگزاشت ہو جاتی ہے تو اللہ بخشنے والا ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اس کے بعد آخر میں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ گھر بچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ

کو یہی مطلوب ہے، لیکن اگر حالات مجبور کر دیتے ہیں اور علیحدگی ہو ہی جاتی ہے تو اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے ۔ وہی رزق دینے والا ہے اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں اپنے بندوں کا ہاتھ بھی وہی پکڑتا ہے ۔ میاں اور بیوی، دونوں کو وہ اپنی عنایت سے مستغنی کر دے گا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے میاں اور بیوی، دونوں سے ایثار اور کوشش تو مطلوب ہے، لیکن یہ غیرت اور خودداری کی حفاظت کے ساتھ مطلوب ہے۔ میاں اور بیوی میں سے کسی کے لیے جس طرح اکڑنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ایک حد خاص سے زیادہ دبنا بھی جائز نہیں ہے ۔ اگرچہ الفاظ میں عمومیت ہے، لیکن سیاق کلام دلیل ہے کہ اس میں عورتوں کی خاص طور پر حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ حتی الامکان نباہنے کی کوشش تو کریں اور مصالحت کے لیے ایثار بھی کریں، لیکن یہ حوصلہ رکھیں کہ اگر کوشش کے باوجود نباہ کی صورت پیدا نہ ہوئی تو رزاق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اپنے خزانۂ جود سے ان کو مستغنی کر دے گا۔'' (تدبر قرآن ۲/۴۰۰)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر کی حیثیت سے اپنی منصبی ذمہ داریوں کے بعض تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تعدد ازواج کی ان دونوں شرائط سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ چنانچہ معاشرے میں غلاموں کا رتبہ بڑھانے کے لیے جب آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے سیدنا زید سے کیا اور ان دونوں میں نباہ نہیں ہو سکا تو سیدہ کی دل داری اور متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کی حرمت کے جاہلی تصور کو بالکل ختم کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ سیدہ سے خود نکاح کر لیں، دراں حالیکہ اس وقت چار بیویاں پہلے سے آپ کے نکاح میں تھیں ۔ سیدہ اور ان کے شوہر کے درمیان جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اس میں آپ خود بھی محسوس کرتے تھے کہ یہی کرنا پڑے گا، لیکن اسے ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کھول دی اور آپ کو توجہ دلائی کہ اللہ کے پیغمبر اپنی منصبی ذمہ داریوں کے معاملے میں لوگوں کے ردعمل کی پروا نہیں کرتے ۔ لہٰذا سیدہ کے ساتھ آپ کے نکاح کا اعلان خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں کر دیا گیا۔ سورۂ احزاب میں ہے:

وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ : اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ	''اور یاد کرو، (اے پیغمبر) جب تم اُس شخص سے بار بار کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ، وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ ، وَتَخْشَى النَّاسَ ، وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ، فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا، وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا . (۳۳:۳۷)

انعام کیا اور تم نے بھی انعام کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو، اور اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنے والا تھا اور لوگوں سے ڈر رہے تھے، دراں حالیکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ چنانچہ جب زید نے اُس (خاتون) سے اپنا تعلق توڑ لیا تو ہم نے تمھیں اُس سے بیاہ دیا، اِس لیے کہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب وہ اُن سے تعلق توڑ چکے ہوں۔ اور اللہ کا یہ حکم تو عمل میں آنا ہی تھا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ اعلان ہوا تو اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح و طلاق کا ایک مفصل ضابطہ بھی اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ میں بیان کر دیا جس میں تعدد ازواج کے وہ شرائط تو اٹھا دیے گئے جو اوپر بیان ہوئے ہیں، لیکن اس کے ساتھ بعض ایسی پابندیاں آپ پر عائد کر دی گئیں جو عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ، اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ، وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ

''ہم نے تمھاری وہ بیویاں تمھارے لیے جائز ٹھیرائی ہیں، اے پیغمبر، جن کے مہر تم دے چکے ہو اور (اِسی طرح) وہ (خاندانی) عورتیں جو (تمھارے کسی جنگی اقدام کے نتیجے میں) اللہ تمھارے قبضے میں لے آئے اور تمھاری وہ چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنھوں نے تمھارے

نَفۡسَهَا لِلنَّبِيِّ ، اِنۡ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنۡ يَّسۡتَنۡكِحَهَا ، خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ . قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَمَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ لِكَيۡلَا يَكُوۡنَ عَلَيۡكَ حَرَجٌ ، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا . تُرۡجِيۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَ تُـْٔوِيۡۤ اِلَيۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ، وَ مَنِ ابۡتَغَيۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكَ . ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ تَقَرَّ اَعۡيُنُهُنَّ وَلَا يَحۡزَنَّ وَ يَرۡضَيۡنَ بِمَاۤ اٰتَيۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ، وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا فِيۡ قُلُوۡبِكُمۡ ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَلِيۡمًا . لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ ، وَلَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ يَمِيۡنُكَ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ رَّقِيۡبًا. (۳۳:۵۰-۵۲)

ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مسلمان عورت جو اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دے، اگر نبی اُس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ حکم دوسرے مسلمانوں سے الگ صرف تمھارے لیے خاص ہے۔ ہم کو معلوم ہے جو کچھ ہم نے اُن کی بیویوں اور لونڈیوں کے معاملے میں اُن پر فرض کیا ہے۔ (اس لیے خاص ہے) کہ (اپنی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں) تم پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اور (اگر کوئی کوتاہی ہو تو) اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ تمھیں اختیار ہے کہ اُن میں سے جسے چاہو الگ رکھو اور جسے چاہو ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلا لو۔ اِس معاملے میں تم پر کوئی مضایقہ نہیں۔ یہ (وضاحت) اِس کے زیادہ قرین ہے کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی تم اُن سب کو دو گے، اُس پر راضی رہیں گی۔ اور اللہ جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اِن کے علاوہ کوئی عورت تمھارے لیے جائز نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی جگہ اور بیویاں لے آؤ، اگرچہ وہ تمھیں کتنی ہی پسند ہوں۔ لونڈیاں، البتہ (اِس کے بعد بھی) جائز ہیں اور (یہ حقیقت ہے کہ) اللہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہر چیز پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔‘‘

یہ ضابطہ جن نکات پر مبنی ہے، وہ یہ ہیں:

اولاً، سیدہ زینب سے نکاح کے بعد بھی آپ اگر چاہیں تو درج ذیل تین مقاصد کے لیے مزید نکاح کر سکتے ہیں:

۱۔ ان خاندانی عورتوں کی عزت افزائی کے لیے جو آپ کے کسی جنگی اقدام کے نتیجے میں قیدی بن کر آپ کے قبضے میں آ جائیں۔

۲۔ ان خواتین کی دل داری کے لیے جو محض حصول نسبت کی غرض سے آپ کے ساتھ نکاح کی خواہش مند ہوں اور آگے بڑھ کر اپنے آپ کو ہبہ کر دیں۔

۳۔ اپنی ان چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں کی تالیف قلب کے لیے جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور اس طرح اپنا گھر بار اور اپنے اعزہ واقربا، سب کو چھوڑ کر آپ کا ساتھ دیا ہے۔

ثانیاً، یہ نکاح چونکہ ایک دینی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے کیے جائیں گے، اس لیے اپنی ان بیویوں کے ساتھ بالکل یکساں تعلق رکھنے کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔

ثالثاً، ان خواتین کے سوا دوسری تمام عورتیں اب آپ کے لیے حرام ہیں[16] اور ان سے ایک مرتبہ نکاح کر لینے کے بعد انھیں الگ کر کے ان کی جگہ کوئی دوسری بیوی بھی آپ نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ آپ کو کتنی ہی پسند ہو۔

چنانچہ سیدہ جویریہ اور سیدہ صفیہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مقصد کے لیے نکاح کیا۔ سیدہ میمونہ دوسرے مقصد سے آپ کی ازواج میں شامل ہوئیں اور سیدہ ام حبیبہ کے ساتھ آپ کا نکاح تیسرے مقصد کے پیش نظر ہوا۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی اسی سورہ میں بیان کر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے ممنوع ہے۔ کسی مسلمان کو اس کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لانا چاہیے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ ’’نبی مسلمانوں کے لیے خود اُن کی ذات پر

۱۶؎ چنانچہ اسی پابندی کے باعث سیدہ ماریہ کے ساتھ آپ نکاح نہیں کر سکے اور وہ ملک یمین ہی کے طریقے پر آپ کے گھر میں رہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ. (الاحزاب۳۳:۶)

مقدم ہیں اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔''

وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ، اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا. (الاحزاب۳۳:۵۳)

''اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بیویوں سے تم اُن کے بعد کبھی نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ہی سنگین بات ہے۔''

اس سے واضح ہے کہ یہ ایک خالص دینی ذمہ داری تھی جو نبوت و رسالت کے منصبی تقاضوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوئی اور آپ نے اسے پورا کر دیا۔ بشری خواہشات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ضروری تھا کہ اسے عام قانون سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

مباشرت کے حدود

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ ، قُلْ هُوَ اَذًی ، فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ، وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ، فَاِذَاتَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰهُ ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ . نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ ، وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْهُ ، وَبَشِّرِالْمُؤْمِنِیْنَ . (البقرہ۲:۲۲۲۔۲۲۳)

''اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو: یہ نجاست ہے۔ چنانچہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ خون سے پاک نہ ہو جائیں، اُن کے قریب نہ جاؤ۔ پھر جب وہ نہا کر پاکیزگی حاصل کر لیں تو اُن سے ملاقات کرو، جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔ بے شک، اللہ توبہ قبول کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ تمھاری یہ عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں۔ لہٰذا تم اپنی اِس کھیتی میں جس طرح چاہو، آؤ اور (اس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت، دونوں میں) اپنے لیے آگے بڑھاؤ[۱۷]، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تمھیں (ایک دن) لازماً اُس سے ملنا

۱۷؎ یعنی ایسی اولاد پیدا کرو جو دنیا اور آخرت، دونوں میں تمھارے لیے سرمایہ بنے۔ اس ہدایت کی ضرورت اس

ہے۔اور ایمان والوں کو، (اے پیغمبر، اس ملاقات کے موقع پر فلاح وسعادت کی) خوش خبری سنا دو۔''

مرد وعورت کا جنسی تعلق تو انسان کی جبلت ہے اور وہ اس معاملے میں کسی ہدایت کا محتاج نہیں ہوتا، لیکن حیض ونفاس کے جو دن عورتوں پر آتے ہیں، ان میں بھی یہ تعلق کیا قائم رہنا چاہیے؟ بالبداہت واضح ہے کہ دین جس کا مقصد ہی تزکیہ ہے، وہ اسے گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تمام الہامی مذاہب نے اس سوال کا جواب نفی میں دیا ہے اور ان ایام میں یہ تعلق ممنوع ٹھیرایا ہے۔ دین ابراہیمی کے زیر اثر عرب جاہلیت بھی اسے ناجائز ہی سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری میں اس کا ذکر کئی پہلوؤں سے ہوا ہے۔ اس معاملے میں کوئی اختلاف نہ تھا، لیکن عورت ان ایام سے گزر رہی ہو تو اس سے اجتناب کے حدود کیا ہیں، اس میں، البتہ بہت کچھ افراط و تفریط پائی جاتی تھی۔ چنانچہ لوگوں نے پوچھا تو قرآن نے اس کے متعلق شریعت کا حکم سورۂ بقرہ کی ان آیات میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی ان کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں عورت سے علیحدہ رہنے (اعتزال) کا جو حکم دیا ہے، اس کی صحیح حد آگے کے الفاظ 'و لاتقربوھن حتی یطھرن، فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللّٰہ' (اور تم ان سے قربت نہ کرو، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، تو جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں تو ان کے پاس آؤ، جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے) سے خود واضح ہو رہی ہے کہ یہ علیحدگی صرف زن وشو کے خاص تعلق کے حد تک ہی مطلوب ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کو بالکل اچھوت بنا کے رکھ دو، جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے۔ اس چیز کی وضاحت احادیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ہوئی ہے۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۲۶)

روایات درج ذیل ہیں:

سیدہ عائشہ کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے اور وہ حیض کی حالت میں آپ کے سر میں کنگھی کر دیتی تھیں۔[۱۸]

سیدہ ہی کا بیان ہے کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گود میں تکیہ کیے ہوئے قرآن پڑھتے تھے۔[۱۹]

لیے ہوئی کہ لوگ بچوں کی پیدایش کے معاملے میں اپنے اقدام کی ذمہ داری سمجھیں اور جو کچھ کریں، اس ذمہ داری کو پوری طرح سمجھ کر کریں۔

۱۸؎ بخاری، رقم ۲۹۶۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انھی سے روایت ہے کہ ہم میں سے کوئی حیض کی حالت میں ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب آنا چاہتے تو ہدایت کرتے کہ حیض کی جگہ پر تہ بند باندھ لے، پھر قریب آ جاتے۔[20]

وہ فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں پانی پیتی، پھر وہی پانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی اور آپ اسی جگہ منہ رکھ کر پی لیتے جہاں میں نے رکھا ہوتا۔ اسی طرح ہڈی چوستی، پھر آپ کو دے دیتی اور آپ اسی جگہ منہ رکھ کر کھا لیتے جہاں میں نے رکھا ہوتا۔[21]

استاذ امام لکھتے ہیں:

''اس آیت میں 'طھر' اور 'تطھر' دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ طہر کے معنی تو یہ ہیں کہ عورت کی ناپاکی کی حالت ختم ہو جائے اور خون کا آنا بند ہو جائے اور تطہر کے معنی یہ ہیں کہ عورت نہا دھو کر پاکیزگی کی حالت میں آ جائے۔ آیت میں عورت سے قربت کے لیے طہر کو شرط قرار دیا ہے اور ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں، تب ان کے پاس آؤ۔ جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ چونکہ قربت کی ممانعت کی اصلی علت خون ہے، اس وجہ سے اس کے انقطاع کے بعد یہ پابندی تو اٹھ جاتی ہے، لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب عورت نہا دھو کر پاکیزگی حاصل کر لے، تب اس سے ملاقات کرو۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۲۶)

اس کے ساتھ یہ بات بھی قرآن نے انھی آیات میں واضح کر دی ہے کہ نہا دھو کر پاکیزگی حاصل کر لینے کے بعد بھی عورت سے ملاقات لازماً اسی راستے سے ہونی چاہیے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'فاتوھن من حیث امرکم اللّٰہ' (تو ان سے ملاقات کرو، جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے)۔ یہ چیز بدیہیات فطرت میں سے ہے اور اس پہلو سے، لاریب خدا ہی کا حکم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ، درحقیقت خدا کے ایک واضح، بلکہ واضح تر حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے، اور اس پر یقیناً اس کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا۔

قرآن نے یہی بات اس کے بعد کھیتی کے استعارے سے واضح فرمائی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''عورتوں کے لیے کھیتی کے استعارے میں ایک سیدھا سادہ پہلو تو یہ ہے کہ جس طرح کھیتی کے لیے

۱۹؎ بخاری، رقم ۲۹۷۔

۲۰؎ بخاری، رقم ۳۰۲۔

۲۱؎ مسلم، رقم ۳۰۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قدرت کا بنایا ہوا یہ ضابطہ ہے کہ تخم ریزی ٹھیک موسم میں اور مناسب وقت پر کی جاتی ہے، نیز بیج کھیت ہی میں ڈالے جاتے ہیں، کھیت سے باہر نہیں پھینکے جاتے، کوئی کسان اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اسی طرح عورت کے لیے فطرت کا یہ ضابطہ ہے کہ ایام ماہواری کے زمانے میں یا کسی غیر محل میں اس سے قضائے شہوت نہ کی جائے، اس لیے کہ حیض کا زمانہ عورت کے جمام اور غیر آمادگی کا زمانہ ہوتا ہے، اور غیر محل میں مباشرت باعث اذیت و اضاعت ہے۔ اس وجہ سے کسی سلیم الفطرت انسان کے لیے اس کا ارتکاب جائز نہیں۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۲۷)

اس کے بعد 'فاتوا حرثکم انی شئتم' (لہٰذا تم اپنی اس کھیتی میں جس طرح چاہو، آؤ) کی وضاحت میں انھوں نے لکھا ہے:

''(اس) میں یہ بیک وقت دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک تو اس آزادی، بے تکلفی، خود مختاری کی طرف جو ایک باغ یا کھیتی کے مالک کو اپنے باغ یا کھیتی کے معاملے میں حاصل ہوتی ہے، اور دوسری اس پابندی، ذمہ داری اور احتیاط کی طرف جو ایک باغ یا کھیتی والا اپنے باغ یا کھیتی کے معاملے میں ملحوظ رکھتا ہے۔ اس دوسری چیز کی طرف 'حرث' کا لفظ اشارہ کر رہا ہے اور پہلی چیز کی طرف 'انی شئتم' کے الفاظ۔ وہ آزادی اور یہ پابندی، یہ دونوں چیزیں مل کر اس رویے کو متعین کرتی ہیں جو ایک شوہر کو بیوی کے معاملے میں اختیار کرنا چاہیے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ازدواجی زندگی کا سارا سکون و سرور فریقین کے اس اطمینان میں ہے کہ ان کی خلوت کی آزادیوں پر فطرت کے چند موٹے موٹے قیود کے سوا کوئی قید، کوئی پابندی اور کوئی نگرانی نہیں ہے۔ آزادی کے اس احساس میں بڑا کیف اور بڑا نشہ ہے۔ انسان جب اپنے عیش و سرور کے اس باغ میں داخل ہوتا ہے تو قدرت چاہتی ہے کہ وہ اپنے اس نشہ سے سرشار ہو، لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اس کے سامنے قدرت نے رکھ دی ہے کہ یہ کوئی جنگل نہیں، بلکہ اس کا اپنا باغ ہے اور یہ کوئی ویرانہ نہیں، بلکہ اس کی اپنی کھیتی ہے، اس وجہ سے وہ اس میں آنے کو تو سو بار آئے اور جس شان، جس آن، جس سمت اور جس پہلو سے چاہے آئے، لیکن اس باغ کا باغ ہونا اور کھیتی کا کھیتی ہونا یاد رکھے۔ اس کے کسی آنے میں بھی اس حقیقت سے غفلت نہ ہو۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۲۷)

یہ ہدایات کس درجہ اہمیت رکھتی ہیں؟ قرآن نے اسے ان آیتوں میں 'ان اللّٰہ یحب التوابین و یحب المتطھرین' (بے شک، اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔آیت کے اس حصے کی وضاحت استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس طرح کی ہے:

''توبہ اور تطہر کی حقیقت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ توبہ اپنے باطن کو گناہوں سے پاک کرنے کا نام ہے اور تطہر اپنے ظاہر کو نجاستوں اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے۔اس اعتبار سے ان دونوں کی حقیقت ایک ہوئی اور مومن کی یہ دونوں خصلتیں اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔اس کے برعکس جو لوگ ان سے محروم ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں۔یہاں جس سیاق میں یہ بات آئی ہے، اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ جو لوگ عورت کی ناپاکی کے زمانے میں قربت سے اجتناب نہیں کرتے یا قضاے شہوت کے معاملے میں فطرت کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں، وہ اللہ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں۔''

(تدبر قرآن ۱/۵۲۶)

ایلا

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ، فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ . وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ، فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ . (البقرہ۲: ۲۲۶۔۲۲۷)

''اُن لوگوں کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے جو اپنی بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھیں۔پھر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔اور اگر طلاق کا فیصلہ کر لیں تو (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ سمیع و علیم ہے۔''

سورۂ بقرہ کی اس آیت میں عورتوں سے 'ایلاء' کا حکم بیان ہوا ہے۔یہ عرب جاہلیت کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم بیوی سے زن و شو کا تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لینا ہے۔اس طرح کی قسم اگر کھا لی جائے تو اس سے بیوی چونکہ معلق ہو کر رہ جاتی ہے اور یہ چیز عدل و انصاف اور بر و تقویٰ کے منافی ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر کر دی ہے۔شوہر پابند ہے کہ اس کے اندر یا تو بیوی سے ازدواجی تعلقات بحال کر لے یا طلاق دینے کا فیصلہ ہے تو اس کو طلاق دے دے۔

پہلی صورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے۔یعنی اگرچہ یہ قسم حق تلفی کے لیے کھائی گئی تھی اور اس طرح کی قسم کھانا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے، لیکن اصلاح کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس میں، ظاہر ہے کہ شوہر قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرے گا۔

دوسری صورت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ سمیع و علیم ہے۔ یعنی اگر طلاق کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس میں اللہ کا قانون اور اس کے حدود و قیود ہر حال میں پیش نظر رہنے چاہییں۔ اللہ ہر چیز کو سنتا اور جانتا ہے۔ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوگی تو وہ ہرگز اس سے چھپی نہ رہے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عذر معقول کے بغیر بیوی سے ازدواجی تعلق منقطع کر لینا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اگر قسم بھی کھالی گئی ہے تو اسے توڑ دینا ضروری ہے۔ یہ عورت کا حق ہے اور اسے ادا نہ کرنے پر دنیا اور آخرت، دونوں میں شوہر کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہی معاملہ بیوی کا بھی ہوگا۔ وہ بھی، ظاہر ہے کہ کسی معقول وجہ کے بغیر شوہر کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا دعا الرجل امرأته الى فراشه فابت، فبات غضبان عليها، لعنتها الملائكة حتى تصبح. (بخاری، رقم ۳۰۶۵)

''جب شوہر بیوی کو مقاربت کے لیے بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور شوہر غصے میں رات گزارے تو فرشتے صبح ہونے تک اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ظہار

اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْکُمْ مِّنْ نِّسَآئِھِمْ مَّا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمْ، اِنْ اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَھُمْ، وَاِنَّھُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا، وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ. وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا، فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا. ذٰلِکُمْ تُوْعَظُوْنَ بِہٖ، وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ. فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا، فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا. ذٰلِکَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ، وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ،

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ . (المجادلہ۵۸: ۲۔۴)

''تم میں سے جو اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں، وہ اُن کی مائیں نہیں بن جاتی ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے۔ اِس طرح کے لوگ، البتہ ایک نہایت بے ہودہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔ اور (اِس معاملے میں حکم یہ ہے کہ) جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر اُسی بات کی طرف پلٹیں جو اُنھوں نے کہی تھی تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کیا جائے گا۔ یہ بات ہے جس کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح واقف ہے۔ پھر جسے غلام میسر نہ ہو، اُسے دو مہینے کے پے در پے روزے رکھنا ہوں گے، اِس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو یہ بھی نہ کر سکے تو وہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ یہ اِس لیے ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول کو فی الواقع مانو۔ اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، (اِنھیں اللہ اور رسول کے منکر ہی توڑتے ہیں)، اور اِس طرح کے منکروں کے لیے بڑی دردناک سزا ہے۔''

یہ 'ظہار' کا حکم ہے۔ ایلا کی طرح ظہار بھی عرب جاہلیت کی اصطلاح ہے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ شوہر نے بیوی کے لیے 'انت علیّ کظھر امی' (تجھے ہاتھ لگایا تو گویا اپنی ماں کی پیٹھ کو ہاتھ لگایا) کے الفاظ زبان سے نکال دیے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بیوی کو اس طرح کی بات کہہ دینے سے ایسی طلاق پڑ جاتی تھی جس کے بعد بیوی لازماً شوہر سے الگ ہو جاتی تھی۔ اہل عرب سمجھتے تھے کہ یہ الفاظ کہہ کر شوہر نہ صرف یہ کہ بیوی سے اپنا رشتہ توڑ رہا ہے، بلکہ اسے ماں کی طرح اپنے اوپر حرام قرار دے رہا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک طلاق کے بعد تو رجوع کی گنجایش ہو سکتی تھی، لیکن ظہار کے بعد اس کا کوئی امکان باقی نہ رہتا تھا۔[22]

قرآن نے یہ اسی کا حکم بیان کیا ہے۔

اس میں پہلی بات یہ واضح کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص منہ پھوڑ کر بیوی کو ماں سے یا اس کے کسی عضو کو ماں کے کسی عضو سے تشبیہ دے دیتا ہے تو اس سے بیوی ماں نہیں ہو جاتی اور نہ اس کو وہ حرمت حاصل ہو سکتی ہے جو ماں کو حاصل ہے۔ ماں کا ماں ہونا ایک امر واقعی ہے، اس لیے کہ اس نے آدمی کو جنا ہے۔ اس کو جو حرمت حاصل ہوتی ہے، وہ اسی جننے کے تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک ابدی اور فطری حرمت ہے جو

۲۲؎ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۵/۵۵۱۔

کسی عورت کو محض منہ سے ماں کہہ دینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس طرح کی تشبیہ سے نہ کسی کا نکاح ٹوٹتا ہے اور نہ اس کی بیوی اس کے لیے ماں کی طرح حرام ہو جاتی ہے۔ سورۂ احزاب میں یہ بات اس طرح بیان ہوئی ہے:

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ. (۳۳:۴)

''اور اپنی جن بیویوں سے تم ظہار کرتے ہو، اللہ نے اُن کو تمھاری مائیں نہیں بنایا ہے۔''

دوسری بات یہ واضح کی گئی ہے کہ اس طرح کا جملہ اگر کسی شخص کی زبان سے نکلا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک نہایت بے ہودہ اور جھوٹی بات ہے جس کا تصور بھی کسی شریف آدمی کو نہیں کرنا چاہیے، کجا یہ کہ وہ اسے زبان سے نکالے۔ اس پر سخت محاسبہ ہو سکتا تھا، لیکن اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مغفرت فرمانے والا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اگر اشتعال میں آ کر اس طرح کی خلاف حقیقت بات منہ سے نکال بیٹھے اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہو تو اللہ اس سے درگزر فرمائیں گے۔

تیسری بات یہ واضح کی گئی ہے کہ اس کے یہ معنی بہر حال نہیں ہیں کہ اسے بغیر کسی تنبیہ کے چھوڑ دیا جائے۔ انسان کی معاشرتی زندگی پر اس طرح کی باتوں کے اثرات بڑے غیر معمولی ہوتے ہیں، اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کی تادیب کی جائے تاکہ آیندہ وہ بھی احتیاط کرے اور دوسروں کو بھی اس سے سبق حاصل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے اسے اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔

یہ کفارہ درج ذیل ہے:

ایک لونڈی یا غلام آزاد کیا جائے۔[۲۳]

وہ میسر نہ ہو تو پے در پے[۲۴] دو مہینے کے روزے رکھے جائیں۔

یہ بھی نہ ہو سکے تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔

۲۳؎ اصل میں لفظ 'رقبة' استعمال ہوا ہے جس کے معنی گردن کے ہیں۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ لونڈی یا غلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے، دونوں میں سے جو بھی میسر ہو، اس سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ غلاموں کی آزادی کے لیے جو اقدامات اسلام نے کیے، یہ بھی انھی میں سے ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بعد کی دونوں صورتوں پر مقدم رکھا ہے۔ غلامی ختم ہو جانے کے بعد اب ظاہر ہے کہ یہی دونوں صورتیں باقی رہ گئی ہیں۔

۲۴؎ اصل میں 'متتابعين' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اگر دو مہینے کے روزے پورے ہونے سے پہلے کسی شخص نے بیوی سے ملاقات کر لی تو اسے از سر نو پورے روزے رکھنا ہوں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس حکم کی تعمیل اگر اس کی صحیح روح کے ساتھ کرو گے تو اس سے اللہ اور رسول پر تمھارا ایمان محکم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اگر اپنی کسی غلطی کی تلافی اس طرح کی کوئی مشقت اٹھا کر کرتا ہے تو اس سے غلطی کی تلافی بھی ہو جاتی ہے اور اسے اپنے ایمان و عقیدہ میں رسوخ بھی حاصل ہوتا ہے۔

طلاق

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ،
وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ، لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ . وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ، وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهٗ . لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا . فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ
مِّنْكُمْ، وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ . ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ، وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَحْتَسِبُ . وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ، اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ، قَدْ
جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا . وَّالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ،
اِنِ ارْتَبْتُمْ، فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ، وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ، وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ
اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا .
ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ، وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ
اَجْرًا . اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ، وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ . فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ، وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ
بِمَعْرُوْفٍ، وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى، لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سَعَتِہٖ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰہُ اللّٰہُ، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰھَا، سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا . (الطلاق ۶۵: ۱۔۷)

''اے نبی، تم لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دو تو عدت کے حساب سے طلاق دو اور عدت کا یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک شمار کرو اور اللہ، اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔ (عدت کے دوران میں) نہ تم اُنھیں اُن کے گھروں سے نکالو، نہ وہ خود نکلیں، الّا یہ کہ وہ کسی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ اور (یاد رکھو کہ) یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے تو (سمجھ لو کہ) اُنھوں نے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ تم نہیں جانتے، شاید اللہ اِس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔ (اِسی طرح طلاق دو)، پھر جب وہ اپنی عدت کے خاتمے پر پہنچ جائیں تو یا اُنھیں بھلے طریقے سے نکاح میں رکھو یا بھلے طریقے سے الگ کر دو۔ اور (نباہ کا ارادہ ہو یا جدائی کا، دونوں صورتوں میں) دو ثقہ آدمیوں کو اپنے میں سے گواہ بنا لو۔ اور (گواہی دینے والو)، تم اِس گواہی کو اللہ کے لیے قائم رکھو۔ یہ بات ہے جس کی اُن لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ سے ڈریں گے، (اُنھیں کوئی مشکل پیش آئی) تو اللہ اُن کے لیے (اِس سے نکلنے کا) راستہ پیدا کرے گا اور اُنھیں وہاں سے رزق دے گا، جدھر اُن کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسا کریں گے، وہ اُن (کی دست گیری) کے لیے کافی ہے۔ اللہ اپنے ارادے پورے کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔ اور تمھاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اور وہ بھی جنھیں (حیض کی عمر کو پہنچنے کے باوجود) حیض نہیں آیا، اُن کے بارے میں اگر کوئی شک ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہو گی اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں۔ اور (تم میں سے) جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے لیے اُس کے معاملے میں سہولت پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ اُس کے گناہ اُس سے دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ (زمانۂ عدت میں) اُن عورتوں کو وہیں رکھو، جہاں تم رہتے ہو، اپنی حیثیت کے مطابق۔ اور اُن پر عرصہ تنگ کرنے کے لیے اُنھیں ستاؤ نہیں۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن پر اُس وقت تک خرچ کرتے رہو، جب تک وہ حمل سے فارغ نہ ہو جائیں۔ پھر اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائیں تو اُن کا معاوضہ اُنھیں دو اور یہ معاملہ دستور کے مطابق باہمی مشورے سے طے کر لو۔ اور اگر تم زحمت محسوس کرو تو شوہر کے لیے بچے کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا لے گی۔ چاہیے کہ خوش حال

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جسے نپا تلا ہی ملا ہے، وہ اُسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اُسے دیا ہے۔ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے، اُس سے زیادہ کا وہ اُس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ (تم مطمئن رہو)، اللہ عنقریب کچھ تنگی کے بعد آسانی عطا فرمائے گا۔"

میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکے تو انبیا علیہم السلام کے دین میں علیحدگی کی گنجایش ہمیشہ رہی ہے۔ اصطلاح میں اسے طلاق کہا جاتا ہے۔ دین ابراہیمی کی روایات کے تحت عرب جاہلیت بھی اس سے پوری طرح واقف تھے۔ بعض بدعات اور انحرافات تو یقیناً راہ پا گئے تھے، لیکن ان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا قانون ان کے ہاں بھی کم و بیش وہی تھا جو اب اسلام میں ہے۔[25] سورۂ طلاق کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند ترامیم اور اضافوں کے ساتھ اسی قانون کی تجدید فرمائی ہے۔ اس کی بعض تفصیلات بقرہ و احزاب میں بھی بیان ہوئی ہیں، لیکن غور کیجیے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ اس میں اصل کی حیثیت سورۂ طلاق کی ان آیات ہی کو حاصل ہے۔

ہم یہاں اس قانون کی وضاحت کریں گے۔

طلاق سے پہلے

طلاق کا یہ حکم جس صورت حال سے متعلق ہے، اس کی نوبت پہنچنے سے پہلے ہر شخص کی خواہش ہونی چاہیے کہ جو رشتہ ایک مرتبہ قائم ہو گیا ہے، اسے ممکن حد تک ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے اسی بنا پر شوہر کو اجازت دی ہے کہ وہ بیوی کے نشوز پر اس کی تادیب کر سکتا ہے۔ لیکن اصلاح کی تمام ممکن تدابیر اختیار کر لینے کے بعد بھی اگر صورت حال بہتر نہیں ہوتی اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ رشتہ قائم نہ رہ سکے گا تو طلاق سے پہلے آخری تدبیر کے طور پر اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے قبیلہ، برادری اور ان کے رشتہ داروں اور خیر خواہوں کو اسی سورہ میں ہدایت فرمائی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر معاملات کو سدھارنے کی کوشش کریں۔ اس کی صورت قرآن نے یہ بتائی ہے کہ ایک حکم میاں اور ایک بیوی کے خاندان میں سے منتخب کیا جائے اور وہ دونوں مل کر ان میں صلح کرائیں۔ اس سے توقع ہے کہ جس جھگڑے کو فریقین خود طے کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، وہ خاندان کے بزرگوں اور دوسرے خیر خواہوں اور ہم دردوں کی مداخلت سے طے ہو جائے۔ ارشاد فرمایا ہے:

---

[25] المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی ۵/۵۴۸۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا، فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا. اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا، يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا.

(النساء۴: ۳۵)

''اور اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے لوگوں میں سے اور ایک عورت کے لوگوں میں سے مقرر کر دو۔ اگر (میاں اور بیوی)، دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ اُن کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک، اللہ علیم و خبیر ہے۔''

آیت کے آخر میں اگر غور کیجیے تو نہایت بلیغ اسلوب میں میاں بیوی کو ترغیب دی ہے کہ انھیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ اگر افتراق کے بجائے سازگاری چاہیں گے تو ان کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ اس کی توفیق ان کے شامل حال ہو جائے گی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

طلاق کا حق

سورہ کی ابتدا 'اذا طلقتم النساء' کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد یہاں بھی اور قرآن کے بعض دوسرے مقامات پر بھی طلاق کے احکام جہاں بیان ہوئے ہیں، اس فعل کی نسبت مرد ہی کی طرف کی گئی ہے۔ پھر بقرہ (۲) کی آیت ۲۳۷ میں قرآن نے شوہر کے لیے 'الذی بیدہ عقدة النکاح' (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے۔ اس کی وجہ بھی بالکل واضح ہے۔ عورت کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری ہمیشہ سے مرد پر ہے اور اس کی اہلیت بھی قدرت نے اسے ہی دی ہے۔ قرآن نے اسی بنا پر اسے قوام قرار دیا اور بقرہ ہی کی آیت ۲۲۸ میں بہ صراحت فرمایا ہے کہ 'للرجال علیھن درجة' (شوہروں کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے)۔ چنانچہ ذمہ داری کی نوعیت اور حفظ مراتب، دونوں کا تقاضا ہے کہ طلاق کا اختیار بھی شوہر ہی کو دیا جائے۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ خاندان کا ادارہ انسان کی ناگزیر ضرورت ہے۔ ذمہ داریوں کے فرق اور وصل و فصل کے یکساں اختیارات کے ساتھ جس طرح دنیا کا کوئی دوسرا ادارہ قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح خاندان کا ادارہ بھی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ عورت نے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت و کفالت کے عوض اگر اپنے آپ کو کسی مرد کے سپرد کر دینے کا معاہدہ کر لیا ہے تو اسے

ختم کر دینے کا اختیار بھی اس کی رضا مندی کے بغیر عورت کو نہیں دیا جا سکتا۔ یہی انصاف ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری صورت اگر اختیار کی جائے گی تو یہ بے انصافی ہو گی اور اس کا نتیجہ بھی لامحالہ یہی نکلے گا کہ خاندان کا ادارہ بالآخر ختم ہو کر رہ جائے گا۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عورت اگر علیحدگی چاہے تو وہ طلاق دے گی نہیں، بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ عام حالات میں توقع یہی ہے کہ ہر شریف النفس آدمی نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر یہ مطالبہ مان لے گا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو عدالتوں کے لیے اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ ہے کہ اتنی بات اگر متحقق ہو جاتی ہے کہ عورت اپنے شوہر سے بے زار ہے اور اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو شوہر کو حکم دیا جائے کہ اس نے مہر کے علاوہ کوئی مال یا جائداد اگر بیوی کو دی ہوئی ہے اور وہ اسے واپس لینا چاہتا ہے تو واپس لے کر اسے طلاق دے دے۔

سیدنا ابن عباس کی روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ میں اس کے دین و اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی، مگر مجھے اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے۔[۲۶] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت سنی تو فرمایا: اس کا باغ واپس کرتی ہو؟ اس نے مان لیا تو آپ نے ثابت کو حکم دیا کہ باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے کر الگ کر دو۔[۲۷]

طلاق کا طریقہ

شوہر خود طلاق دے یا بیوی کے مطالبے پر اسے علیحدہ کر دینے کا فیصلہ کرے، دونوں ہی صورتوں میں اس کا جو طریقہ ان آیات میں بتایا گیا ہے، وہ یہ ہے:

۱۔ طلاق عدت کے لحاظ سے دی جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بیوی کو فوراً علیحدہ کر دینے کے لیے طلاق دینا جائز نہیں ہے۔ یہ جب دی جائے گی، ایک متعین مدت کے پورا ہو جانے پر مفارقت کے ارادے سے دی جائے گی۔ عدت کا لفظ اصطلاح میں اس مدت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں بیوی

۲۶؎ اس جملے کا مطلب دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ثابت کی صورت پسند نہ تھی اور وہ محسوس کرتی تھیں کہ اس کے باوجود اگر وہ اس کے ساتھ رہیں تو اندیشہ ہے کہ ان احکام کی پابند نہ رہ سکیں گی جو شوہر سے وفاداری اور عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو دیے ہیں۔

۲۷؎ بخاری، رقم ۵۲۷۳۔

www.javedahmadghamidi.org / www.al-mawrid.org

شوہر کی طرف سے طلاق یا اس کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ مدت چونکہ اصلاً مقرر ہی اس لیے کی گئی ہے کہ عورت کے پیٹ کی صورت حال پوری طرح واضح ہو جائے، اس لیے ضروری ہے کہ بیوی کو حیض سے فراغت کے بعد اور اس سے زن و شو کا تعلق قائم کیے بغیر طلاق دی جائے۔ ہر مسلمان کو اس معاملے میں اس غصے کے باوجود جو اس طرح کے موقعوں پر بیوی کے خلاف پیدا ہو جاتا ہے، اللہ، اپنے پروردگار سے ڈرنا چاہیے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے ایام حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

مره فليراجعها، ثم ليمسكها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء امسك بعد، و إن شاء طلق قبل ان يمس، فتلك العدة التي امر اللّٰه ان تطلق لها النساء. (بخاری، رقم ۴۸۵۰)

''اس کو حکم دو کہ رجوع کرے، پھر اسے اپنی زوجیت میں روکے رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو، پھر حیض آئے، پھر پاک ہو[۲۸]۔ اس کے بعد چاہے تو روک لے اور چاہے تو ملاقات سے پہلے طلاق دے دے۔ اس لیے کہ یہی اس عدت کی ابتدا ہے جس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ عدت کا شمار پوری احتیاط کے ساتھ کیا جائے۔ طلاق کا معاملہ چونکہ نہایت نازک ہے، اس سے عورت اور مرد اور ان کی اولاد اور ان کے خاندان کے لیے بہت سے قانونی مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جب طلاق دی جائے تو اس کے وقت اور تاریخ کو یاد رکھا جائے اور یہ بھی یاد رکھا جائے کہ طلاق کے وقت عورت کی حالت کیا تھی، عدت کی ابتدا کس وقت ہوئی ہے، یہ کب تک باقی رہے گی اور کب ختم ہو جائے گی۔ معاملہ گھر میں رہے یا خدانخواستہ کسی مقدمے کی صورت میں عدالت تک پہنچے، دونوں صورتوں میں اسی سے متعین کیا جائے گا کہ شوہر کو رجوع کا حق کب تک ہے،

---

۲۸ یہ دوسری مرتبہ حیض سے پاک ہو جانے تک طلاق نہ دینے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ حمل کے بارے میں، جس حد تک ممکن ہو، پورا اطمینان ہو جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسے عورت کو گھر میں کب تک رکھنا ہے، نفقہ کب تک دینا ہے، وراثت کا فیصلہ کس وقت کے لحاظ سے کیا جائے گا، عورت اس سے کب جدا ہوگی اور کب اسے دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہو جائے گا۔

۲۔ عدت کے پورا ہونے تک شوہر کو رجوع کا حق ہے۔ 'فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف' (پھر جب وہ اپنی عدت کے خاتمے تک پہنچ جائیں تو یا انھیں بھلے طریقے سے نکاح میں رکھو یا بھلے طریقے سے الگ کر دو) کے الفاظ میں یہ بات قرآن نے ان آیات میں واضح کر دی ہے۔ پھر سورۂ بقرہ میں مزید وضاحت فرمائی ہے کہ طلاق کی طرح رجوع کا یہ حق بھی شوہر کو اس لیے دیا گیا ہے کہ خاندان کے نظم کو قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیوی کے مقابلے میں اس کے لیے ایک درجہ ترجیح کا رکھا ہے۔ تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حقوق صرف شوہروں کے ہیں، بیویوں کا کوئی حق نہیں ہے۔ لوگوں کو متنبہ رہنا چاہیے کہ عورتوں پر جس طرح ان کے شوہروں سے متعلق حقوق ہیں، اسی طرح ان کے بھی حقوق ہیں۔ بنی آدم کے لیے یہ حقوق کوئی اجنبی چیز نہیں ہیں۔ وہ ان سے ہمیشہ واقف رہے ہیں۔ لہٰذا شوہروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے حقوق کے مطالبے کے ساتھ دستور کے مطابق بیوی کے حقوق کا بھی لحاظ کریں:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ، اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ، وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. (البقرہ ۲: ۲۲۸)	''اور اُن کے شوہر اگر معاملات کی اصلاح چاہیں تو اِس عدت کے دوران میں اُنھیں لوٹا لینے کے زیادہ حق دار ہیں، اور اُن عورتوں پر دستور کے مطابق جیسے حقوق ہیں، اِسی طرح اُن کے بھی حقوق ہیں۔ (شوہر کی حیثیت سے) البتہ، مردوں کے لیے اُن پر ایک درجہ ترجیح کا ہے۔ (یہ اللہ کا حکم ہے) اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔''

اس طرح کے معاملات چونکہ جذبات پر مبنی اقدامات اور افراط و تفریط کے رویوں کا باعث بن سکتے اور لوگ اس میں چند در چند غلطیوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں، اس لیے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات ـــــ عزیز و حکیم ـــــ کا حوالہ دیا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی ان کی وضاحت میں لکھتے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہیں:

”خدا عزیز ہے، اس وجہ سے اسی کو حق ہے کہ وہ حکم دے اور وہ حکیم ہے، اس وجہ سے جو حکم بھی اس نے دیا ہے، وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کریں۔ اگر وہ اس کے احکام کی مخالفت کریں گے تو اس کی غیرت و عزت کو چیلنج کریں گے اور اس کے عذاب کو دعوت دیں گے، اور اگر خدا سے زیادہ حکیم اور مصلحت شناس ہونے کے خبط میں مبتلا ہوں گے تو خود اپنے ہاتھوں اپنے قانون اور نظام، سب کا تیاپانچا کر کے رکھ دیں گے۔“ (تدبر قرآن ۱/ ۵۳۳)

۳۔ شوہر رجوع نہ کرے تو عدت کے پورا ہو جانے پر میاں بیوی کا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ہدایت فرمائی ہے کہ یہ خاتمے کو پہنچ رہی ہو تو شوہر کو فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اسے بیوی کو روکنا ہے یا رخصت کر دینا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں اللہ کا حکم ہے کہ معاملہ معروف کے مطابق، یعنی بھلے طریقے سے کیا جائے۔ فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہوئے یہ فیصلے کریں گے، انھیں مطمئن رہنا چاہیے کہ اگر کوئی مشکل پیش آئی تو اللہ ان کے لیے اس سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ روکنا مقصود ہو تو یہ ہرگز ہرگز دست ستم دراز کرنے کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ اس سورہ کی جو آیت اوپر نقل ہوئی ہے، اس میں ’ان ارادوا اصلاحاً‘ کی شرط اسی لیے عائد کی گئی ہے کہ رجوع اس ارادے سے نہ ہو کہ بیوی کو اپنی خواہش کے مطابق اذیت دی جا سکے، بلکہ محبت اور سازگاری کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے ہو، ورنہ یہ محض ظلم ہو گا جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضی کا باعث بن جائے گا۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ، وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا، وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کے خاتمے پر پہنچ جائیں تو یا انھیں بھلے طریقے سے روک لو یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ اور انھیں نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہ روکو کہ ان پر زیادتی کرو۔ اور (جان لو کہ) جو ایسا کرے گا، وہ درحقیقت اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائے گا۔ اور

عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ ، وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمٌ. (البقرہ۲:۲۳۱)

اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ اور اپنے اوپر اللہ کی عنایت کو یاد رکھو اور اُس قانون اور حکمت کو یاد رکھو جو اُس نے اتاری ہے، جس کی وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

استاذ امام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مثبت پہلو سے بات اوپر کہہ چکنے کے بعد منفی پہلو سے بھی اس کی وضاحت اس لیے کر دی گئی کہ ظالم لوگ طلاق اور طلاق کے بعد مراجعت کے شوہری حق کو اس ظلم کے لیے استعمال کر سکتے تھے، حالانکہ یہ صریح اعتدا، یعنی اللہ کے حدود سے تجاوز اور اس کی شریعت کو مذاق بنانا ہے۔ فرمایا کہ جو ایسی جسارت کرتے ہیں، بظاہر تو وہ ایک عورت کو نشانۂ ظلم بناتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ سب سے بڑا ظلم اپنی جان پر کرتے ہیں، کیونکہ اللہ کے حدود کو پھاندنے اور اس کی شریعت کو مذاق بنانے کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو کہ اس نے تمھیں ایک برگزیدہ امت کے منصب پر سرفراز فرمایا، تمھاری ہدایت کے لیے تمھارے اندر اپنا نبی بھیجا، تمھیں خیر و شر اور نیک و بد سے آگاہ کرنے کے لیے تمھارے اوپر اپنی کتاب اتاری جو قانون اور حکمت، دونوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ کی ایسی عظیم نعمتیں پانے کے بعد اگر تم نے ان کا یہی حق ادا کیا کہ خدا کے حدود کو توڑا اور اس کی شریعت کو مذاق بنایا تو سوچ لو کہ ایسے لوگوں کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان رکھو کہ وہ تمھاری ہر بات سے باخبر ہے، یعنی وہ لوگوں کی شرارتوں کے باوجود ان کو ڈھیل تو دیتا ہے، لیکن جب وہ پکڑے گا تو اس کی پکڑ سے کوئی بھی چھوٹ نہ سکے گا۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۳۹)

اسی طرح رخصت کر دینے کا فیصلہ ہو تو 'تسریح باحسان' کا حکم دیا ہے: 'فامساك بمعروف او تسريح باحسان'[۲۹]، یعنی بیوی کو اچھے طریقے سے رخصت کیا جائے۔ اس باب میں جو ہدایات خود قرآن میں دی گئی ہیں، وہ یہ ہیں:

۲۹؎ البقرہ۲:۲۲۹۔

اولاً، بیوی کو کوئی مال، جائداد، زیورات اور ملبوسات وغیرہ، خواہ کتنی ہی مالیت کے ہوں، اگر تحفے کے طور پر دیے گئے ہیں تو ان کا واپس لینا جائز نہیں ہے۔ نان نفقہ اور مہر تو عورت کا حق ہے، ان کے واپس لینے یا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ جو چیزیں دی گئی ہوں، ان کے بارے میں بھی قرآن کا حکم ہے کہ وہ ہرگز واپس نہیں لی جاسکتیں۔

اس سے دو صورتیں، البتہ مستثنیٰ ہیں:

ایک یہ کہ میاں بیوی میں حدود الٰہی کے مطابق نباہ ممکن نہ رہے، معاشرے کے ارباب حل وعقد بھی یہی محسوس کریں، لیکن میاں صرف اس لیے طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو کہ اس کے دیے ہوئے اموال بھی ساتھ ہی جائیں گے تو بیوی یہ اموال یا ان کا کچھ حصہ واپس کر کے شوہر سے طلاق لے سکتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال اگر کبھی پیدا ہو جائے تو شوہر کے لیے اسے لینا ممنوع نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ بیوی کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کرے۔ اس سے میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد ہی چونکہ منہدم ہو جاتی ہے، لہٰذا شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس صورت میں وہ اپنا دیا ہوا مال اس سے واپس لے لے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا، اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (البقرہ ۲: ۲۲۹)

''اور تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم نے جو کچھ اِن عورتوں کو دیا ہے، اِس میں سے کچھ بھی (اِس موقع پر) واپس لو۔ یہ صورت، البتہ مستثنیٰ ہے کہ دونوں کو حدود الٰہی پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ پھر اگر تمھیں بھی اندیشہ ہو کہ وہ حدود الٰہی پر قائم نہیں رہ سکتے تو (شوہر کی دی ہوئی) اُن چیزوں کے معاملے میں اُن دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت فدیے میں دے کر طلاق حاصل کر لے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ سو اِن سے

آگے نہ بڑھو۔ اور (جان لو کہ) جو اللہ کے حدود سے آگے بڑھتے ہیں، وہی ظالم ہیں۔''

وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ... وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ وَّ اٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡئًا. اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا، وَ كَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ، وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا. (النساء۴: ۱۹۔۲۱)

''اور نہ یہ جائز ہے کہ جو کچھ اُنھیں دے چکے ہو، اُس کا کچھ حصہ اڑا لینے کے لیے اُنھیں تنگ کرو، ہاں اِس صورت میں کہ وہ کھلی ہوئی بدچلنی کی مرتکب ہوں... اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو خواہ تم نے اُسے ڈھیروں مال دیا ہو، اُس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح حق تلفی کر کے اُسے واپس لو گے؟ اور آخر کس طرح لو گے، جبکہ تم ایک دوسرے کے لیے بے حجاب ہو چکے ہو اور (نکاح کے موقع پر) وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔''

اس دوسری صورت کے لیے تنبیہ فرما دی ہے کہ کوئی شخص بیوی پر بہتان لگا کر اس سے دیا ہوا مال واپس لینے کے لیے جواز پیدا کرنے کی جسارت نہ کرے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''یہ مرد کی فتوت کے بالکل منافی ہے کہ جس عورت کے ساتھ اس نے زندگی بھر کا پیمان وفا باندھا، جو ایک نہایت مضبوط میثاق کے تحت اس کے حبالۂ عقد میں آئی، جس نے اپنا سب ظاہر و باطن اس کے لیے بے نقاب کر دیا اور دونوں نے ایک مدت تک یک جان و دو قالب ہو کر زندگی گزاری، اس سے جب جدائی کی نوبت آئے تو اپنا کھلایا پہنایا اس سے اگلوانے کی کوشش کی جائے، یہاں تک کہ اس ذلیل غرض کے لیے اس کو بہتانوں اور تہمتوں کا ہدف بھی بنایا جائے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۷۱)

ثانیاً، عورت کو ہاتھ لگانے یا اس کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دی جائے تو مہر کے معاملے میں شوہر پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن مہر مقرر ہو اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کی نوبت پہنچ جائے تو مقررہ مہر کا نصف ادا کرنا ہو گا، الّا یہ کہ عورت اپنی مرضی سے پورا چھوڑ دے یا مرد پورا ادا کر دے۔ ارشاد فرمایا

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

ہے:

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ ، اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ... وَّاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ، وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً، فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ، اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ، وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ، وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ . (البقرہ۲: ۲۳۶۔۲۳۷)

”اور اگر تم عورتوں کو طلاق دو، اِس سے پہلے کہ تم نے اُنھیں ہاتھ لگایا ہو یا اُن کا مہر مقرر کیا ہو تو (مہر کے معاملے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ہے... اور اگر تم نے طلاق تو اُنھیں ہاتھ لگانے سے پہلے دی، مگر مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف اُنھیں دینا ہوگا، الّا یہ کہ وہ اپنا حق چھوڑ دیں یا وہ چھوڑ دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ اور یہ کہ تم مرد اپنا حق چھوڑ دو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اپنے درمیان کی فضیلت نہ بھولو۔ بے شک، اللہ دیکھ رہا ہے اُس کو جو تم کر رہے ہو۔“

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے:

”اگرچہ ایک محرک عورت کے لیے بھی مہر چھوڑنے کا موجود ہے کہ شوہر نے ملاقات سے پہلے ہی طلاق دی ہے، لیکن قرآن نے مرد کو اکسایا ہے کہ اس کی فتوت اور مردانہ بلند حوصلگی اور اس کے درجے مرتبے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عورت سے اپنے حق کی دستبرداری کا خواہش مند نہ ہو، بلکہ اس میدان ایثار میں خود آگے بڑھے۔ اس ایثار کے لیے قرآن نے یہاں مرد کو تین پہلوؤں سے ابھارا ہے: ایک تو یہ کہ مرد کو خدا نے یہ فضیلت بخشی ہے کہ وہ نکاح کی گرہ کو جس طرح باندھنے کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح اس کو کھولنے کا بھی مجاز ہے۔ دوسرا یہ کہ ایثار و قربانی جو تقویٰ کے اعلیٰ ترین اوصاف میں سے ہے، وہ جنس ضعیف کے مقابل میں جنس قوی کے شایان شان زیادہ ہے۔ تیسرا یہ کہ مرد کو خدا نے اس کی صلاحیتوں کے اعتبار سے عورت پر جو ایک درجہ ترجیح کا بخشا ہے اور جس کے سبب سے اس کو عورت کا قوام اور سربراہ بنایا ہے، یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے جس کو عورت کے ساتھ کوئی معاملہ کرتے وقت مرد کو بھولنا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نہیں چاہیے۔ اس فضیلت کا فطری تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت سے لینے والا نہیں، بلکہ اس کو دینے والا بنے۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۴۸)

ثالثاً، عورت کو کچھ سامان زندگی دے کر رخصت کیا جائے۔ قرآن نے اسے اللہ سے ڈرنے والوں اور احسان کا رویہ اختیار کرنے والوں پر ایک حق قرار دیا ہے۔ طلاق اگر عورت کو ہاتھ لگائے بغیر بھی دی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ حق ادا ہونا چاہیے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ. (البقرہ ۲:۲۴۱)

''اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق زندگی کا کچھ سامان دے کر رخصت کرنا ہے۔ یہ حق ہے اُن پر جو خدا سے ڈرنے والے ہوں۔''

سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۴۹ میں یہی بات 'فمتعوھن و سرحوھن سراحاً جمیلاً' (لیکن انھیں کچھ سامان دو اور بھلے طریقے سے رخصت کر دو) کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ بقرہ میں اُن عورتوں کے متعلق بھی اسی کا حکم دیا ہے جن سے خلوت نہ ہوئی ہو یا جنھیں مہر مقرر کیے بغیر طلاق دے دی جائے۔ قرآن کی ہدایت ہے کہ اس کی مقدار آدمی کو سوسائٹی کے دستور اور اپنے معاشی حالات کی رعایت سے متعین کرنی چاہیے:

وَّمَتِّعُوْهُنَّ، عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ، حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ. (۲:۲۳۶)

''اور اُنھیں دستور کے مطابق کچھ سامان زندگی دے کر رخصت کرو، اچھی حالت والے اپنی حالت کے مطابق اور غریب اپنی حالت کے مطابق۔ یہ حق ہے اُن پر جو احسان کا رویہ اختیار کرنے والے ہوں۔''

اس سے واضح ہے کہ یہ ایک حق واجب ہے۔ اگر کوئی شخص اسے ادا نہیں کرتا تو تقویٰ اور احسان کی صفات پر مبنی ہونے کی وجہ سے قانون چاہے اس پر گرفت نہ کر سکے، لیکن اللہ کے ہاں وہ اس پر یقیناً ماخوذ ہو گا اور آخرت میں اس کے ایمان و احسان کا وزن اس کے لحاظ سے متعین کیا جائے گا۔

۴۔ عدت کے دوران میں شوہر رجوع کر لے تو عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی، لیکن اس کے معنی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کیا یہ ہیں کہ شوہر اسی طرح جب چاہے بار بار طلاق دے کر عدت میں رجوع کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ طلاق اور طلاق کے بعد رجوع کا یہ حق ہر شخص کو ایک رشتۂ نکاح میں دو مرتبہ حاصل ہے: الطلاق مرتان، فامساك بمعروف او تسريح باحسان[۳۰] ' (اس طلاق کا حق دو مرتبہ ہے، پھر بھلے طریقے سے روک لینا ہے یا خوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے)۔ یعنی آدمی طلاق دے کر رجوع کر لے تو عورت کے ساتھ اس کی پوری ازدواجی زندگی میں اس کو ایک مرتبہ پھر اسی طرح طلاق دے کر عدت کے دوران میں رجوع کر لینے کا حق حاصل ہے، لیکن اس کے بعد یہ حق باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ایک رشتۂ نکاح میں دو مرتبہ رجوع کے بعد تیسری مرتبہ پھر علیحدگی کی نوبت آ گئی اور شوہر نے طلاق دے دی تو اس کے نتیجے میں عورت ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو جائے گی، الاّ یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہو اور وہ بھی اسے طلاق دے دے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ، فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ، اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ، وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ.

(البقرہ ۲: ۲۳۰)

''پھر اگر اُس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اِس کے بعد وہ عورت اُس کے لیے جائز نہ ہوگی، جب تک اُس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر اُس نے بھی طلاق دے دی تو اُن دونوں کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضایقہ نہیں، اگر یہ توقع رکھتے ہوں کہ اب وہ حدود الٰہی پر قائم رہ سکیں گے۔ اور یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں جنھیں وہ اُن لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہے جو جاننا چاہتے ہیں۔''

پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کے لیے قرآن نے اس آیت میں تین شرطیں بیان فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے۔

دوسری یہ کہ اس سے بھی نباہ نہ ہو سکے اور وہ اسے طلاق دے دے۔

۳۰؎ البقرہ ۲: ۲۲۹۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تیسری یہ کہ وہ دونوں سمجھیں کہ دوبارہ نکاح کے بعد اب وہ حدود الٰہی پر قائم رہ سکیں گے۔

پہلی اور دوسری شرط میں نکاح سے مراد عقد نکاح اور طلاق سے مراد وہی طلاق ہے جو آدمی نباہ نہ ہونے کی صورت میں علیحدگی کا فیصلہ کر لینے کے بعد اپنی بیوی کو دیتا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ لفظ نکاح شریعت اسلامی کی ایک معروف اصطلاح ہے جس کا اطلاق ایک عورت اور مرد کے اس ازدواجی معاہدے پر ہوتا ہے جو زندگی بھر کے نباہ کے ارادے کے ساتھ زن وشو کی زندگی گزارنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگر یہ ارادہ کسی نکاح کے اندر نہیں پایا جاتا تو وہ فی الحقیقت نکاح ہی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سازش ہے جو ایک عورت اور ایک مرد نے باہم مل کر کر لی ہے۔ نکاح کے ساتھ شریعت نے طلاق کی جو گنجایش رکھی ہے تو وہ اصل اسکیم کا کوئی جز نہیں ہے، بلکہ یہ کسی ناگہانی افتاد کے پیش آ جانے کا ایک مجبورانہ مداوا ہے۔ اس وجہ سے نکاح کی اصل فطرت یہی ہے کہ وہ زندگی بھر کے سنجوگ کے ارادے کے ساتھ عمل میں آئے۔ اگر کوئی نکاح واضح طور پر محض ایک معین ومخصوص مدت تک ہی کے لیے ہو تو اس کو متعہ کہتے ہیں اور متعہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے کہ اس نکاح کے بعد طلاق دے کر وہ اس عورت کو اس کے پہلے شوہر کے لیے جائز ہونے کا حیلہ فراہم کرے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ حلالہ ہے اور یہ بھی اسلام میں متعہ ہی کی طرح حرام ہے۔ جو شخص کسی کی مقصد برآری کے لیے یہ ذلیل کام کرتا ہے، وہ درحقیقت ایک قرمساق یا بھڑوے یا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے 'کرایے کے سانڈ' کا رول ادا کرتا ہے اور ایسا کرنے والے اور ایسا کروانے والے پر اللہ کی لعنت ہے[۳۱]۔'' (تدبر قرآن ۱/ ۵۳۷)

تیسری شرط اس لیے عائد کی گئی ہے کہ نکاح وطلاق کو لوگ بچوں کا کھیل نہ سمجھیں اور متنبہ رہیں کہ کسی عورت کو طلاق دینی ہے تو خدا سے ڈرتے ہوئے اور نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر دی جائے، اور اس سے نکاح کرنا ہے تو یہ لازماً دل کے سچے ارادے اور سازگاری کی مخلصانہ خواہش کے ساتھ کیا جائے۔ اس سے مختلف کوئی رویہ اختیار کرنا کسی بندۂ مومن کے لیے اس معاملے میں جائز نہیں ہے۔

ہمارے فقہا ان شرائط پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر سے طلاق لازماً مباشرت کے بعد ہونی چاہیے، اس کے بغیر وہ عورت کو پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔ اس رائے کے حق میں جو دلائل ان کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں، ان میں سے زیادہ اہم یہ تین ہیں:

۳۱؎ ابن ماجہ، رقم ۱۹۳۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اول یہ کہ آیت میں فعل 'تنکح' استعمال ہوا ہے۔ اس میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، لیکن نکاح چونکہ عورت نہیں، بلکہ مرد کرتا ہے، اس لیے 'تنکح' لازماً یہاں مباشرت کے معنی میں ہو گا۔

دوم یہ کہ 'تنکح' کے بعد 'زوجاً غیرہ' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں 'زوجاً' کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ نکاح تو ہو چکا، اس لیے ضروری ہے کہ 'تنکح' کو اب مباشرت کرنے ہی کے معنی میں لیا جائے۔

سوم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک عورت کو پہلے شوہر کی طرف مراجعت سے یہ کہہ کر روک دیا کہ دوسرے شوہر سے مباشرت کے بغیر وہ اس کے لیے جائز نہیں ہو سکتی۔

پہلی اور دوسری دلیل کا نہایت واضح جواب خود قرآن نے دے دیا ہے۔ آیۂ زیر بحث کے صرف ایک آیت بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ، فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ. (البقرہ ۲: ۲۳۲)	''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اب اِس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے ہونے والے شوہروں سے نکاح کر لیں۔''

اس میں دیکھ لیجیے، نکاح کی نسبت بھی عورتوں کی طرف ہے اور اس کے بعد 'ازواجھن' بھی بالکل 'زوجاً غیرہ' کے طریقے پر آیا ہے، لیکن صاف واضح ہے کہ 'ان ینکحن' کے معنی یہاں عقد نکاح ہی کے ہیں۔ اسے مباشرت کے معنی میں کسی طرح نہیں لیا جا سکتا۔

پھر یہ بات بھی نہایت عجیب ہے کہ نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف نہیں ہو سکتی۔ اس پر یہ پوچھنے کی جسارت کی جا سکتی ہے کہ نکاح کی نسبت اگر ان کی طرف نہیں ہو سکتی تو فعل مباشرت کی نسبت کیا ہو سکتی ہے؟ اس طریقے سے دیکھا جائے تو یہ بھی عورت نہیں، بلکہ مرد ہی کرتا ہے۔

رہی تیسری دلیل تو یہ درحقیقت ایک روایت کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ امام بخاری نے اسے جس طرح نقل کیا ہے، اسے دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عورت نے نکاح کیا ہی اس مقصد سے تھا کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ چنانچہ طلاق لینے کے لیے اس نے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جب غلط بیانی کر کے دوسرے شوہر کو زن وشو کا تعلق قائم کرنے سے قاصر قرار دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سرزنش کے لیے اسے یہ کہہ کر پہلے شوہر کے پاس جانے سے روک دیا کہ اب تم اس دوسرے شوہر سے لذت اندوز ہونے کے بعد ہی اس کے پاس جا سکتی ہو۔ یہ بیان شرط نہیں، بلکہ تعلیق بالمحال کا اسلوب ہے۔ لہٰذا یہ روایت اگر کسی چیز کا ثبوت ہے تو حلالہ کی ممانعت کا ثبوت ہے، اس میں فقہا کے موقف کے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

روایت یہ ہے:

عن عكرمة ان رفاعة طلق امراته فتزوجها عبد الرحمن بن الزبير القرظی، قالت عائشة، وعليها خمار اخضر فشكت اليها، وارتها خضرة بجلدها، فلما جاء رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، والنساء ينصر بعضهن بعضا، قالت عائشة: مارايت مثل ما يلقى المؤمنات، لجلدها اشد خضرة من ثوبها. قال: وسمع انها قد اتت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فجاء ومعه ابنان له من غيرها. قالت: واللّٰه ما لی اليه من ذنب الا ان ما معه ليس باغنى عنى من هذه،

''عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رفاعہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو اس کے ساتھ عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی نے نکاح کر لیا۔ سیدہ عائشہ بتاتی ہیں کہ وہ سبز دوپٹا اوڑھے ہوئے ان کے پاس آئی اور ان سے شوہر کی شکایت کی اور اپنے جسم کے نیل دکھائے۔ عورتیں ایک دوسری کی مدد کرتی ہی ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہ نے عرض کیا: میں نے مسلمان عورتوں کے سوا کسی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ نہیں دیکھا۔ اس کی جلد تو اس کے دوپٹے سے بھی زیادہ سبز ہو رہی ہے۔ عکرمہ کا بیان ہے کہ اس کے شوہر کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لے کر گئی ہے تو وہ بھی دوسری بیوی سے اپنے دو بیٹوں کو ساتھ لے کر حاضر ہو گیا۔ شوہر کو دیکھ کر اس نے دوپٹے کا سرا ہاتھ میں پکڑ کر لٹکایا اور کہا:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

واخذت هدبة من ثوبها، فقال: كذبت والله، يا رسول الله، انى لانفضها نفض الاديم، ولكنها ناشز تريد رفاعة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فان كان ذلك لم تحلى له او لم تصلحي له حتى يذوق من عسيلتك. قال: وابصر معه ابنين له، فقال: بنوك هولاء؟ قال: نعم. قال: هذا الذى تزعمين ما تزعمين. فوالله، لهم اشبه به من الغراب بالغراب. (بخاری، رقم ۵۳۷۷)

مجھے اس سے یہی شکایت ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے، وہ میرے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس پر عبدالرحمٰن نے عرض کیا: خدا کی قسم، یا رسول اللہ، میں تو اس کے ساتھ وہی کرتا ہوں جو دباغت دینے والا چمڑے کے ساتھ کرتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ نافرمان ہے اور رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا: یہ بات ہے تو تم رفاعہ کے لیے ہرگز حلال نہیں ہو، جب تک عبدالرحمٰن تم سے لذت اندوز نہ ہو لے۔ پھر آپ نے عبدالرحمٰن کے بیٹوں کو دیکھ کر پوچھا: یہ تمھارے بیٹے ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: تم اس طرح کے جھوٹ بولتی ہو۔ بخدا، یہ تو عبدالرحمٰن کے ساتھ اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں، جتنا کوئی کوا دوسرے سے ملتا ہوا ہوتا ہے۔''

۵۔ شوہر طلاق دے یا رجوع کرے، دونوں ہی صورتوں میں فرمایا ہے کہ اپنے اس فیصلے پر وہ دو ثقہ مسلمانوں کو گواہ بنا لے اور گواہوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے لیے اپنی اس گواہی پر قائم رہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی بعد میں کسی بات کا انکار نہ کرے اور اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو اس کا فیصلہ آسانی کے ساتھ ہو جائے۔ مزید یہ کہ اس معاملے میں کسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں اور لوگوں کے لیے ہر چیز بالکل واضح اور متعین رہے۔

یہ طلاق کا صحیح طریقہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے مطابق اپنی بیوی کو علیحدہ کرتا یا علیحدگی کا فیصلہ کر لینے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے بعد اس کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اس کے یہ فیصلے شرعاً نافذ ہو جائیں گے، لیکن کسی پہلو سے اس کی خلاف ورزی کر کے اگر طلاق دی جاتی ہے تو یہ پھر ایک قضیہ ہے جس کا فیصلہ عدالت کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کے جو مقدمات پیش ہوئے، ان میں دو نہایت اہم ہیں۔

پہلا مقدمہ عبداللہ بن عمر کا ہے۔ انھوں نے ایام حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ اسے سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اسے حکم دو کہ رجوع کرے، پھر اسے اپنی زوجیت میں روکے رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو، پھر حیض آئے، پھر پاک ہو۔ اس کے بعد چاہے تو روک لے اور چاہے تو ملاقات سے پہلے طلاق دے دے۔ اس لیے کہ یہی اس عدت کی ابتدا ہے جس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔[۳۲]

دوسرا مقدمہ رکانہ بن عبد یزید کا ہے۔ روایتوں کو جمع کرنے سے واقعے کی جو صورت سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ پھر نادم ہوئے اور اپنا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے پوچھا: طلاق کس طرح دی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ایک ہی وقت میں بیوی کو تین طلاق دے بیٹھا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ارادہ کیا تھا؟ انھوں نے عرض کیا کہ ارادہ تو ایک ہی طلاق دینے کا تھا۔ آپ نے قسم دے کر پوچھا اور انھوں نے قسم کھا لی تو آپ نے فرمایا: یہ بات ہے تو رجوع کر لو۔ یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے۔ انھوں نے عرض کیا: لیکن میں نے تو، یا رسول اللہ، تین طلاق کہا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں، تم رجوع کر لو، یہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لحاظ سے طلاق دو۔[۳۳]

ان دونوں مقدمات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ جن اساسات پر مبنی ہے، وہ یہ ہیں:

قانون کی خلاف ورزی ہو جائے اور اس کی تلافی ممکن ہو تو قانون کے احترام کا تقاضا ہے کہ خلاف ورزی کرنے والے کو تلافی کا حکم دیا جائے۔

قائل کو اپنے منشا کی وضاحت کا حق ہے۔ وہ اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں بات مجھ سے بلا ارادہ یا ارادہ و اختیار

۳۲؎ بخاری، رقم ۵۲۵۱۔ ابوداؤد، رقم ۲۱۸۲۔

۳۳؎ ابوداؤد، رقم ۲۱۹۶، ۲۲۰۶۔ ابن ماجہ، رقم ۲۰۵۱۔ ترمذی، رقم ۱۱۷۷۔ احمد بن حنبل، رقم ۲۳۸۳۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کے کسی وجہ سے سلب ہو جانے کے باعث صادر ہوئی ہے تو اس کی یہ وضاحت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی اصل سے متعلق ہے کہ 'لا طلاق و لا عتاق فی غلاق'[34] (غصے سے مغلوب ہو کر دی گئی طلاق موثر ہوتی ہے، نہ غلام کی آزادی کا فیصلہ)۔

تین طلاق کے الفاظ بیان عدد کے لیے بھی بولے جا سکتے ہیں اور فیصلے کی سختی، اتمام اور قطعیت ظاہر کرنے کے لیے بھی۔ یہ دونوں احتمالات چونکہ زبان و بیان کی رو سے بالکل یکساں ہیں، اس لیے قائل کی وضاحت اس معاملے میں بھی قابل قبول ہونی چاہیے۔

تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ قرائن اس کے خلاف بھی ہوں تو اس طرح کی وضاحت ماننا ضروری ہے۔ عدالت کو یہ حق یقیناً حاصل ہے کہ وہ اگر مطمئن نہیں ہو سکی تو اسے ماننے سے انکار کر دے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلوم ہے کہ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ لوگ پہلے کی طرح محتاط نہیں رہے تو اعلان کر دیا کہ اب کسی کا بیان بھی اس معاملے میں تسلیم نہ ہو گا اور تین طلاق کو تین طلاق ہی مان کر نافذ کر دیا جائے گا۔[35]

طلاق کی عدت

سورۂ طلاق کی ان آیتوں میں جس عدت کے لحاظ سے طلاق دینے کا حکم دیا گیا ہے، قرآن نے دوسری جگہ وضاحت فرمائی ہے کہ وہ تین حیض ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ. (البقرہ ۲: ۲۲۸)

''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار کرائیں۔''

اس آیت میں 'قروء' 'قرء' کی جمع ہے۔ یہ لفظ جس طرح حیض کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح طہر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اس کی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے:

> ''اس کے اصل مادہ اور اس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے، اس سے ہمارا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں، لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر بھی لازماً لگا

۳۴؎ ابوداؤد، رقم ۲۱۹۳۔

۳۵؎ مسلم، رقم ۲۶۸۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہوا ہے، اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں، جس طرح رات کے لفظ سے اس کے ساتھ لگے ہوئے دن کو یا دن کے لفظ سے اس کے ساتھ لگی ہوئی رات کو۔ اس قسم کے استعمال کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔'' (۵۴۲/۱)

ہم نے اسے حیض کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل مسئلہ ہی یہ متعین کرنے کا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حیض سے ہوتا ہے، نہ کہ طہر سے۔ پھر اس کے لیے توقف کی مدت مقرر کی گئی ہے اور یہ بھی حیض سے بالکل متعین ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی ابتدا کے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

عام حالات میں عدت یہی ہے، لیکن عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو یا حیض کی عمر کو پہنچنے کے باوجود اسے حیض نہ آیا ہو[۳۶] تو سورۂ طلاق کی ان آیتوں میں قرآن نے بتایا ہے کہ پھر یہ تین مہینے ہو گی۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ حیض سے مایوس عورتوں کے ساتھ ان آیتوں میں 'ان ارتبتم' کی شرط بھی لگی ہوئی ہے۔ استاذ امام اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ 'ان ارتبتم' کی شرط یہاں آئسہ مدخولہ اور آئسہ غیر مدخولہ کے درمیان امتیاز کے لیے آئی ہے۔ یعنی آئسہ اگر مدخولہ ہے تو آئسہ ہونے کے باوجود اس کا امکان ہے کہ شاید یاس کی حالت عارضی ہو، پھر امید کی شکل پیدا ہو گئی ہو اور اس کے رحم میں کچھ ہو۔ یہی صورت اس کو بھی پیش آ سکتی ہے جس کو ابھی اگرچہ حیض نہیں آیا ہے، لیکن وہ مدخولہ ہے... ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر یہی بات کہنی تھی تو صاف صاف یوں کیوں نہ کہہ دی کہ اگر آئسہ مدخولہ ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بات یوں کہی جاتی تو اس سے عدت کی اصل علت واضح نہ ہوتی، جبکہ اس کا واضح ہونا ضروری تھا۔ اس عدت کی اصل علت عورت کا مجرد مدخولہ ہونا نہیں، بلکہ یہ اشتباہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے رحم میں کچھ ہو۔'' (تدبر قرآن ۴۴۲/۸)

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت اگر غیر مدخولہ ہو تو اس کے متعلق چونکہ حمل کا سوال پیدا

۳۶؎ اصل میں 'والیٰ لم یحضن' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'لم' عربی زبان میں نفی جحد کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس سے وہ بچیاں مراد نہیں ہو سکتیں جنھیں ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا، بلکہ وہی عورتیں مراد ہوں گی جنھیں حیض کی عمر کو پہنچنے کے باوجود حیض نہیں آیا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نہیں ہوتا، اس لیے اس کی کوئی عدت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت فرما دی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ، فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا. (۴۹:۳۳)	''ایمان والو، تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر اُن کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو اُن پر تمھارے لیے کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے تم پورا ہونے کا تقاضا کرو گے۔''

زمانۂ عدت کے جو احکام سورۂ طلاق کی زیر بحث آیات میں بیان ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

اولاً، ہدایت کی گئی ہے کہ اس دوران میں نہ بیوی کو اپنا گھر چھوڑنا چاہیے اور نہ شوہر کو یہ حق ہے کہ اس کے گھر سے اسے نکال دے۔ اس طرح اکٹھا رہنے کے نتیجے میں توقع ہے کہ دلوں میں تبدیلی پیدا ہو جائے، دونوں اپنے رویے کا جائزہ لیں اور ان کا اجڑتا ہوا گھر ایک مرتبہ پھر آباد ہو جائے۔ 'لعل اللّٰه يحدث بعد ذلك امراً' (شاید، اللہ اس کے بعد کوئی دوسری صورت پیدا کر دے) کے الفاظ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے ساتھ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو شخص ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا، بلکہ اپنے ہی مصالح برباد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حدود اپنے کسی فائدے کے لیے قائم نہیں کیے۔ یہ بندوں کی بہبود کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ لہٰذا انھیں کوئی شخص اگر توڑتا ہے تو وہ اپنی ہی جان پر ظلم ڈھاتا ہے۔

اس سے مستثنیٰ صرف یہ صورت ہے کہ مرد نے عورت کو طلاق ہی کسی 'فاحشة مبينة' کے ارتکاب پر دی ہو۔ عربی زبان میں یہ تعبیر زنا اور اس کے لوازم و مقدمات کے لیے معروف ہے۔ اس صورت میں، ظاہر ہے کہ نہ شوہر سے یہ مطالبہ کرنا جائز ہے کہ وہ ایسی عورت کو گھر میں رہنے دے، اور نہ اس سے وہ فائدہ ہی حاصل ہو سکتا ہے جس کے لیے یہ ہدایت کی گئی ہے۔

ثانیاً، فرمایا ہے کہ عدت کے دوران میں وہ عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق رہنے کی جگہ اور نان و نفقہ فراہم کرے گا۔ طلاق دے دینے کے بعد مرد اس معاملے میں بہت کچھ خست کا رویہ اختیار کر سکتا ہے۔ چنانچہ تاکید کی گئی ہے کہ عورت کو ساتھ رکھنے کا طریقہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے اس کی خودداری مجروح

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہو، بلکہ تمام معاملات شوہر کی آمدنی کے لحاظ سے اور اس کے معیار زندگی کے مطابق ہونے چاہییں۔ مزید فرمایا ہے کہ اس عرصے میں اس کو کسی پہلو سے تنگ کرنے کی تدبیریں اختیار نہ کی جائیں کہ چند ہی دنوں میں پریشان ہو کر وہ شوہر کا گھر چھوڑنے کے لیے مجبور ہو جائے۔

یہ ذمہ داری، ظاہر ہے کہ تیسری طلاق کے بعد بھی شوہر پر رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کی پابندی عورت اسی کے حمل کی تعیین اور حفاظت کے لیے قبول کرتی ہے۔ سورۂ احزاب (۳۳) کی جو آیت ہم نے اوپر نقل کی ہے، اس میں 'فمالکم علیھن من عدۃ' کے الفاظ بالکل صریح ہیں کہ حمل کا امکان ہو تو عدت شوہر کی طرف سے بیوی پر ایک حق واجب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تیسری طلاق کے بعد شوہر کے لیے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا، لیکن اس کے نتیجے میں اگر کوئی چیز ختم کی جا سکتی ہے تو وہ اکٹھا رہنے کی پابندی ہے، بیوی کو رہنے کی جگہ اور نان و نفقہ فراہم کرنے کی ذمہ داری کسی حال میں بھی ختم نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ یہ بالکل قطعی ہے کہ عدت خواہ تین حیض ہو یا تین مہینے یا وضع حمل تک ممتد ہو جائے، شوہر پر یہ ذمہ داری ہر حال میں عائد ہوگی۔

یہاں ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ فاطمہ بنت قیس کی روایت ہماری اس رائے کے خلاف پیش کریں۔ ان کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے شوہر ابوعمرو پہلے ان کو دو طلاق دے چکے تھے۔ پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ یمن بھیجے گئے تو انھوں نے تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ عدت کے دوران میں انھوں نے نفقہ و سکونت کا مطالبہ کیا تو شوہر کے اعزہ نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضور نے فیصلہ فرمایا کہ نہ تمھارے لیے نفقہ ہے اور نہ سکونت۔[37]

یہ روایت حدیث کی بعض کتابوں میں نقل ہوئی ہے، لیکن روایتوں ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو انھوں نے یہ کہہ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم ایک عورت کے قول پر اپنے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے۔[38] پھر مروان کے زمانۂ حکومت میں جب یہ مسئلہ دوبارہ زیر بحث آیا تو سیدہ عائشہ نے اس روایت پر سخت اعتراضات کیے۔

۳۷؎ مسلم، رقم ۲۷۱۵۔ ابوداؤد، رقم ۲۲۹۰۔

۳۸؎ مسلم، رقم ۲۷۱۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ سے پوچھا: کیا آپ کو فاطمہ کا قصہ معلوم نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: فاطمہ کی حدیث کا ذکر نہ کرو تو اچھا ہے۔[39] ایک دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں: فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، وہ خدا سے ڈرتی نہیں۔[40] تیسری روایت عروہ بن زبیر سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدہ نے فرمایا: فاطمہ کے لیے یہ حدیث بیان کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔[41] ایک اور روایت میں انھی عروہ کا بیان ہے کہ ام المومنین نے فاطمہ پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور کہا: وہ دراصل ایک خالی مکان میں تھیں جہاں کوئی مونس نہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سلامتی کی خاطر ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔[42]

یہ اس روایت کی حقیقت ہے، لہٰذا کسی شخص کو اب بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔

ان ہدایات کے علاوہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مزید ہدایت یہ کی ہے کہ زمانۂ عدت میں عورتیں اپنا حمل چھپانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم نے اوپر جگہ جگہ بیان کیا ہے کہ عدت کا حکم دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے۔ لہٰذا یہ اس حکم کا لازمی تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی ہے:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ، اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ. (۲:۲۲۸)

''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار کرائیں، اور اگر وہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتی ہیں تو اُن کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ نے جو کچھ اُن کے پیٹ میں پیدا کیا ہے، اُسے چھپالیں۔''

طلاق کے بعد

طلاق موثر ہو جائے تو جو چیزیں اس کے بعد بھی باعث نزاع ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک بچوں کی

۳۹؎ بخاری، رقم ۵۳۲۱، ۵۳۲۲۔

۴۰؎ بخاری، رقم ۵۳۲۳، ۵۳۲۴۔

۴۱؎ بخاری، رقم ۵۳۲۵۔

۴۲؎ بخاری، رقم ۵۳۲۶۔

رضاعت ہے۔ سورۂ طلاق کی زیر بحث آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی ماں اگر انھیں دودھ پلانے پر آمادہ ہوتو مرد اسے اس خدمت کا معاوضہ ادا کرے گا اور یہ معاوضہ باہمی مشورے سے اور بھلے طریقے سے طے کیا جائے گا۔ اس طرح کی کوئی قرارداد اگر بچوں کے ماں باپ کے مابین نہ ہو سکے تو قرآن کا ارشاد ہے کہ پھر کوئی دوسری عورت دودھ پلا لے گی۔ اس کے ساتھ خرچ کا معیار بھی بتا دیا ہے کہ خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے لحاظ سے خرچ کرے گا اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نہ خوش حال کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے معیار سے دوسروں کو فروتر رکھ کر معاملہ کرے اور نہ غریب پر اس کی حیثیت سے بڑھ کر کوئی بوجھ ڈالنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی حیثیت کے لحاظ ہی سے اپنے احکام کا مکلّف ٹھیراتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں اس حکم کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ، وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا، لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ، وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ. فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا، وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ،

''اور مائیں، اُن کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہتے ہوں، اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اور بچے کے باپ کو (اِس صورت میں) دستور کے مطابق اُن کا کھانا کپڑا دینا ہو گا۔ کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ نہ کسی ماں کو اُس کے بچے کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ کسی باپ کو اُس کے بچے کے سبب سے ـــــ اور اِسی طرح کی ذمہ داری (اُس کے) وارث پر بھی ہے ـــــ پھر اگر دونوں باہمی رضا مندی او رمشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی کوئی مضایقہ نہیں،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (۲:۲۳۳)

بشرطیکہ (بچے کی ماں سے) جو کچھ دینا طے کیا ہے، وہ دستور کے مطابق اسے دے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

ان احکام کا خلاصہ، استاذ امام امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں یہ ہے:

''۱۔ مطلقہ پر اپنے بچے کو پورے دو سال دودھ پلانے کی ذمہ داری ہے، اگر طلاق دینے والا شوہر یہ چاہتا ہے کہ عورت یہ رضاعت کی مدت پوری کرے۔

۲۔ اس مدت میں بچے کے باپ پر مطلقہ کے کھانے کپڑے کی ذمہ داری ہے اور اس معاملے میں دستور کا لحاظ ہوگا، یعنی شوہر کی حیثیت، عورت کی ضروریات اور مقام کے حالات پیش نظر رکھ کر فریقین فیصلہ کریں گے کہ عورت کو نان ونفقہ کے طور پر کیا دیا جائے۔

۳۔ فریقین میں سے کسی پر بھی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، نہ بچے کے بہانے سے ماں کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی، اور نہ بچے کی آڑ لے کر باپ پر کوئی ناروا دباؤ ڈالا جائے گا۔

۴۔ اگر بچے کا باپ وفات پا چکا ہو تو بعینہٖ یہی پوزیشن مذکورہ ذمہ داریوں اور حقوق کے معاملے میں اس کے وارث کی ہوگی۔

۵۔ اگر باہمی رضامندی اور مشورے سے دو سال کی مدت کے اندر ہی اندر بچے کا دودھ چھڑا دینے کا عورت مرد فیصلہ کر لیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

۶۔ اگر باپ یا بچے کے ورثا بچے کی والدہ کی جگہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہتے ہیں تو وہ ایسا کرنے کے مجاز ہیں، بشرطیکہ بچے کی والدہ سے دینے دلانے کی جو قرارداد ہوئی ہے، وہ پوری کر دی جائے۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۴۵)

دوسری چیز جو باعث نزاع ہو سکتی ہے، وہ آگے عورت کی شادی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش ہے، عام اس سے کہ وہ صریح ممانعت کی صورت میں ہو یا کسی سازش اور جوڑ توڑ کے انداز میں۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو نہایت سختی کے ساتھ روکا ہے اور لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ جب ایک عورت کو طلاق دے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دی گئی ہے تو اب اس کے کسی فیصلے میں رکاوٹ بننے کا حق پہلے شوہر کے لیے باقی نہیں رہا۔ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے شادی کر سکتی ہے۔ اس کا یہ فیصلہ اگر دستور کے مطابق ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے اصل میں 'بالمعروف' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ عورت اور مرد، دونوں اپنے معاملات طے کرنے میں پوری طرح آزاد ہیں، لیکن اتنی بات بہرحال ضروری ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو شرفا کی روایات کے خلاف ہو اور جس سے پہلے شوہر یا ہونے والے شوہر یا خود عورت کے خاندان کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ، فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ . ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.

(البقرہ ۲:۲۳۲)

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اب اِس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے ہونے والے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق معاملہ طے کریں۔ یہ نصیحت تم میں سے اُن لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی تمھارے لیے زیادہ شایستہ اور زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

آیت کے آخری حصے کی وضاحت میں استاذ امام نے لکھا ہے:

''فرمایا کہ یہ نصیحتیں ان لوگوں کو کی جا رہی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی جن لوگوں کے اندر خدا اور آخرت پر ایمان موجود ہے، ان کے ایمان کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ ان نصیحتوں پر عمل کریں۔ پھر فرمایا کہ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے۔ یعنی اگر عورت کی حسب مرضی نکاح کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو اس سے خاندان اور پھر معاشرے میں بہت سی برائیاں پھیلنے کے اندیشے ہیں۔ یہیں سے خفیہ روابط، پھر زنا، پھر اغوا اور فرار کے بہت سے چور دروازے پیدا ہوتے ہیں

اور ایک دن ان سب کی ناک کٹ کے رہتی ہے جو ناک ہی اونچی رکھنے کے زعم میں فطری جذبات کے مقابل میں بے ہودہ رسوم کی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ: اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ یعنی تمھارا علم اور تمھاری نظر بہت محدود ہے، تمھارے لیے زندگی کے تمام نشیب و فراز کو سمجھ لینا بڑا مشکل ہے، اس وجہ سے جو کچھ تمھیں خدا کی طرف سے حکم دیا جا رہا ہے، اس پر عمل کرو۔'' (تدبر قرآن ۱/۵۴۴)

ان دو چیزوں کے علاوہ مطلقہ اور اس کے شوہر میں بچوں کی حضانت پر بھی جھگڑا ہو سکتا ہے، لیکن اس کا فیصلہ چونکہ بچے کی مصلحت اور والدین کے حالات کی رعایت ہی سے کیا جا سکتا ہے اور یہ مختلف صورتوں میں مختلف ہو سکتا ہے، اس لیے شریعت نے اس معاملے میں کوئی ضابطہ متعین نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں سے، البتہ، اس نوعیت کے مقدمات میں ارباب حل و عقد کو بہت کچھ رہنمائی مل سکتی ہے۔ ان میں سے دو کی روداد ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ، میرے اس بیٹے کے لیے میرا پیٹ ہی گویا ایک ظرف تھا اور میری چھاتیاں ہی اس کا مشکیزہ تھیں اور میری گود ہی اس کا گھر تھی۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو مجھ سے لے لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھی اس کو رکھنے کی زیادہ حق دار ہو، جب تک تم نکاح نہ کر لو۔[۴۳]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی۔ میں نے سنا کہ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ، میرا شوہر یہ میرا بچہ مجھ سے لینا چاہتا ہے، دراں حالیکہ اس نے مجھے ابوعنبہ کے کنوئیں سے پانی لا کر دیا ہے اور بہت کچھ نفع پہنچایا ہے۔ حضور نے فرمایا: تم دونوں اس پر قرعہ ڈال سکتے ہو۔ شوہر (یہ سن کر) بولا: میرے اس بچے کے معاملے میں کون مجھ سے جھگڑا کرے گا؟ آپ نے فرمایا: بیٹے، یہ تمھارا باپ اور یہ تمھاری ماں ہے، تم ان میں سے جس کا ہاتھ پکڑنا چاہتے ہو، پکڑ لو۔ بچے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلی گئی۔[۴۴]

۴۳؎ ابوداؤد، رقم ۲۲۷۶۔

۴۴؎ ابوداؤد، رقم ۲۲۷۷۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شوہر کی وفات

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا . فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْ اَنْفُسِكُمْ ، عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ، وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ. (البقرہ۲: ۲۳۴-۲۳۵)

’’اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑیں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن انتظار کرائیں۔ پھر جب اُن کی عدت پوری ہو جائے تو اپنے بارے میں جو کچھ دستور کے مطابق وہ کریں، اُس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ اور اِس میں بھی کوئی گناہ نہیں جو تم اشارے کنایے میں نکاح کا پیغام اُن عورتوں کو دو یا اُسے دل میں چھپائے رکھو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ عنقریب یہ بات تو تم اُن سے کرو گے ہی۔ (سو کرو)، لیکن (اِس میں) کوئی وعدہ اُن سے چھپ کر نہ کرنا۔ ہاں، دستور کے مطابق کوئی بات، البتہ کہہ سکتے ہو۔ اور عقد نکاح کا فیصلہ اُس وقت تک نہ کرو، جب تک قانون اپنی مدت پوری نہ کر لے۔ اور جان رکھو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، اِس لیے اُس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا ہے، وہ بڑا بردبار ہے۔‘‘

سورۂ بقرہ کی ان آیات میں بیواؤں کی عدت کا حکم بیان ہوا ہے۔

اس میں پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے[۴۵]۔ عام مطلقہ کی نسبت سے یہ

[۴۵] مطلقہ اور بیوہ کے لیے عدت کا حکم چونکہ ایک ہی مقصد سے دیا گیا ہے، اس لیے جو مستثنیات اوپر طلاق کی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اضافہ اس لیے ہوا ہے کہ اس کو تو ایسے طہر میں طلاق دینے کی ہدایت کی گئی ہے جس میں شوہر سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو، لیکن بیوہ کے لیے اس طرح کا کوئی ضابطہ بنانا چونکہ ممکن نہیں ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ دن بڑھا دیے جاتے۔ قرآن نے یہی کیا ہے اور مطلقہ کی نسبت سے اس کی عدت ایک ماہ دس دن زیادہ مقرر کر دی ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ عدت گزر جائے تو اس کے بعد وہ آزاد ہے اور اپنے معاملے میں جو قدم مناسب سمجھے اٹھا سکتی ہے۔ معاشرے کے دستور کی پابندی، البتہ اسے کرنی چاہیے، یعنی ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جس سے متعلق خاندانوں کی عزت، شہرت، وجاہت اور اچھی روایات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ یہ ملحوظ رہے تو اس پر یا اس کے اولیا پر پھر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ غیر شرعی رسوم کو شریعت کا درجہ دے کر خواہ مخواہ ایک دوسرے کو مورد طعن والزام نہیں بنانا چاہیے۔ نہ شوہر کے وارثوں اور عورت کے اولیا کو یہ طعنہ دینا چاہیے کہ عورت اپنے شوہر کا پورا سوگ بھی نہ منا چکی کہ وہ اس سے تنگ آ گئے اور نہ عورت کو یہ طعنہ دینا چاہیے کہ ابھی شوہر کا کفن بھی میلا نہ ہونے پایا تھا کہ یہ شادی رچانے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خدا نے جو حدود مقرر کر دیے ہیں، بس انھی کی پابندی کرنی چاہیے اور اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ بندوں کے ہر عمل سے باخبر ہے۔''

(تدبر قرآن ۱/۵۴۶)

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص بیوہ سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو عدت کے دوران میں وہ یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنے دل میں اس کا ارادہ کر لے یا اشارے کنایے میں کوئی بات زبان سے نکال دے، لیکن اس کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ ایک غم زدہ خاندان کے جذبات کا لحاظ کیے بغیر عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے یا کوئی خفیہ عہد و پیمان کرے۔ اس طرح کے موقعوں پر جو بات بھی کی جائے، اسے ہم دردی اور تعزیت کے اظہار تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ چنانچہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم اپنا یہ ارادہ ظاہر کرو

بحث میں بیان ہوئے ہیں، وہ بیوہ کی عدت میں بھی اسی طرح ملحوظ ہوں گے۔ چنانچہ بیوہ غیر مدخولہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہوگی اور حاملہ کی عدت وضع حمل کے بعد ختم ہو جائے گی۔ بخاری کی روایت (رقم ۵۳۲۰) ہے کہ ایک حاملہ خاتون، سبیعہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے یہی فیصلہ فرمایا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گے، مگر اس طرح نہیں کہ نکاح کی پینگیں بڑھانا شروع کر دو، قول و قرار کر و یا چھپ کر کوئی عہد باندھ لو۔ اس کا انداز وہی ہونا چاہیے جو ایسے حالات میں پسندیدہ اور دستور کے موافق سمجھا جاتا ہے۔ عدت گزر جائے تو ان عورتوں سے نکاح کا فیصلہ، البتہ کر سکتے ہو۔ اس کے بعد تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ زمانۂ عدت میں عورت کا رویہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اگر اپنے مرحوم شوہر کے گھر میں اس کے لیے عدت گزار رہی ہیں تو سوگ کی کیفیت میں گزاریں اور زیب و زینت کی کوئی چیز استعمال نہ کریں۔ ارشاد فرمایا ہے:

المتوفی عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب ولا الممشقة، ولا الحلی، ولا تختضب ولا تكتحل.	''بیوہ عورت رنگین کپڑے نہیں پہنے گی، نہ زرد، نہ گیرو سے رنگے ہوئے۔ وہ زیورات استعمال نہیں کرے گی اور نہ مہندی اور سرمہ لگائے گی۔''

(ابوداؤد، رقم ۱۹۶۰)

لیکن اس عرصے میں عورت کے نان و نفقہ اور سکونت کا کیا ہوگا؟ قرآن نے اسی سورہ میں آگے وضاحت فرمائی ہے کہ شوہروں کے لیے اللہ کا حکم ہے کہ وہ اپنی بیواؤں کے لیے ایک سال کے نان و نفقہ اور اپنے گھروں میں سکونت کی وصیت کر جائیں، الّا یہ کہ وہ خود اپنی مرضی سے شوہر کا گھر چھوڑ دیں یا اس نوعیت کا کوئی دوسرا قدم اٹھا لیں۔[۴۶]

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ، غَيْرَ اِخْرَاجٍ، فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا	''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو وہ اپنی اُن بیویوں کے لیے سال بھر کے نان و نفقہ کی وصیت کر جائیں، اور یہ بھی کہ اُنھیں گھر

۴۶؎ عام طور پر لوگ اس حکم کو سورۂ نساء میں تقسیم وراثت کی آیات سے منسوخ مانتے ہیں، لیکن صاف واضح ہے کہ عورت کو نان و نفقہ اور سکونت فراہم کرنے کی جو ذمہ داری شوہر پر اس کی زندگی میں عائد ہوتی ہے، یہ اسی کی توسیع ہے۔ عدت کی پابندی وہ شوہر ہی کے لیے قبول کرتی ہے۔ پھر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے بھی اسے کچھ مہلت لازماً ملنی چاہیے۔ یہ حکم ان مصلحتوں کے پیش نظر دیا گیا ہے، تقسیم وراثت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جُـنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡ مَا فَعَلۡنَ فِيۡۤ اَنۡـفُسِهِـنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ، وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ . (البقرہ۲:۲۴۰)

سے نکالا نہ جائے۔ پھر اگر وہ خود گھر چھوڑیں تو جو کچھ اپنے معاملے میں دستور کے مطابق کریں، اُس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔''

مرد و زن کا اختلاط

یٰۤاَیُّهَا الَّـذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ، لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَهۡلِهَا ، ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ. فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِیۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰی یُؤۡذَنَ لَکُمۡ، وَ اِنۡ قِیۡلَ لَکُمُ : ارۡجِعُوۡا ، فَارۡجِعُوۡا ، هُوَ اَزۡکٰی لَکُمۡ ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ . لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَةٍ فِیۡهَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ ، وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ. قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَ یَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ، ذٰلِكَ اَزۡکٰی لَهُمۡ ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ . وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ ، وَ یَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ ، وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا، وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ ، وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ هِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ هِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوۡ نِسَآءِ هِنَّ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡهَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ، وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِهِنَّ ، وَتُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیۡعاً ، اَیُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ، لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ. (النور۲۴:۲۷۔۳۱)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

”ایمان والو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک تعارف پیدا نہ کرلو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ تمھیں یاددہانی حاصل رہے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، جب تک تمھیں اجازت نہ دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ۔ یہی طریقہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ اِس میں، البتہ کوئی مضایقہ نہیں کہ تم ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جو کسی کے رہنے کی جگہ نہیں ہیں اور اِن میں تمھارے لیے کوئی منفعت ہے۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ مومن مردوں سے کہہ دو، (اے پیغمبر کہ اِن گھروں میں اگر عورتیں ہوں تو) وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں، سوائے اُن کے جو اُن میں سے کھلی ہوتی ہیں، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔ اور زینت کی چیزیں نہ کھولیں، مگر اپنے شوہر کے سامنے یا اپنے باپ، اپنے شوہر کے باپ، اپنے بیٹوں، اپنے شوہر کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بہنوں کے بیٹوں، اپنے میل جول کی عورتوں اور اپنے غلاموں کے سامنے یا اُن زیردست مردوں کے سامنے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یا اُن بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے۔ اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت (لوگوں کے لیے) ظاہر ہو جائے۔ اور ایمان والو، سب مل کر اللہ سے رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ اخلاقی مفاسد سے معاشرے کی حفاظت اور باہمی تعلقات میں دلوں کی پاکیزگی قائم رکھنے کے لیے اختلاط مردوزن کے آداب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مقرر فرمائے ہیں۔ سورۂ نور کی ان آیات میں یہ اس تنبیہ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں کہ دوسروں کے گھروں میں جانے اور ملنے جلنے کا یہی طریقہ لوگوں کے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ وہ اگر اسے ملحوظ رکھیں گے تو یہ ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ لیکن اس میں ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کو علیم و خبیر سمجھتے ہوئے اس طریقے کی پابندی کریں اور اس بات پر ہمیشہ متنبہ رہیں کہ ان کا پروردگار ان کے عمل ہی سے نہیں، ان کی نیت اور ارادوں

سے بھی پوری طرح واقف ہے۔

یہ آداب درج ذیل ہیں:

۱۔ایک دوسرے کے گھروں میں جانے کی ضرورت پیش آ جائے تو بے دھڑک اور بے پوچھے اندر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔اس طرح کے موقعوں پر ضروری ہے کہ آدمی پہلے گھر والوں کو اپنا تعارف کرائے، جس کا شایستہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا جائے۔اس سے گھر والے معلوم کر لیں گے کہ آنے والا کون ہے، کیا چاہتا ہے اور اس کا گھر میں داخل ہونا مناسب ہے یا نہیں۔اس کے بعد اگر وہ سلام کا جواب دیں اور اجازت ملے تو گھر میں داخل ہو، اجازت دینے کے لیے گھر میں کوئی موجود نہ ہو یا موجود ہو اور اس کی طرف سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت ملنا ممکن نہیں ہے تو دل میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر واپس چلا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ اجازت کے لیے تین مرتبہ پکارو، اگر تیسری مرتبہ پکارنے پر بھی جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔[۴۷]

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ اجازت عین گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر اور اندر جھانکتے ہوئے نہیں مانگنی چاہیے، اس لیے کہ اجازت مانگنے کا حکم تو دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ گھر والوں پر نگاہ نہ پڑے۔[۴۸]

۲۔اُن جگہوں کے لیے یہ پابندی، البتہ ضروری نہیں ہے جہاں لوگوں کے بیوی بچے نہ رہتے ہوں۔قرآن نے اس کے لیے 'بیوتاً غیر مسکونة' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔یعنی ہوٹل، سرائے، مہمان خانے، دکانیں، دفاتر، مردانہ نشست گاہیں وغیرہ۔ان میں اگر کسی منفعت اور ضرورت کا تقاضا ہو تو آدمی اجازت کے بغیر بھی جا سکتا ہے۔اجازت لینے کی جو پابندی اوپر عائد کی گئی ہے، وہ ان جگہوں سے متعلق نہیں ہے۔

۳۔دونوں ہی قسم کے مقامات پر اگر عورتیں موجود ہوں تو اللہ کا حکم ہے کہ مرد بھی اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور عورتیں بھی۔اس کے لیے اصل میں 'یغضوا من ابصارھم' کے الفاظ آئے ہیں۔نگاہوں میں حیا ہو اور مرد و عورت ایک دوسرے کے حسن و جمال سے آنکھیں سینکنے، خط و خال کا جائزہ لینے اور ایک

۴۷؎ بخاری، رقم ۶۲۴۵۔

۴۸؎ بخاری، رقم ۶۲۴۱۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دوسرے کو گھورنے سے پرہیز کریں تو اس حکم کا منشا یقیناً پورا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس سے مقصود نہ دیکھنا یا ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہنا نہیں ہے، بلکہ نگاہ بھر کر نہ دیکھنا اور نگاہوں کو دیکھنے کے لیے بالکل آزاد نہ چھوڑ دینا ہے۔ اس طرح کا پہرا اگر نگاہوں پر نہ بٹھایا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ آنکھوں کی زنا ہے۔ اس سے ابتدا ہو جائے تو شرم گاہ اسے پورا کر دیتی ہے یا پورا کرنے سے رہ جاتی ہے۔[49] چنانچہ یہی نگاہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ اسے فوراً پھیر لینا چاہیے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی، ایک کے بعد دوسری نظر کو اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ پہلی تو معاف ہے، مگر دوسری معاف نہیں ہے۔[50]

جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا: اس طرح کی نگاہ اچانک پڑ جائے تو کیا کروں؟ فرمایا: فوراً نگاہ پھیر لو یا نیچی کر لو۔[51]

حجۃ الوداع کا قصہ ہے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں روک کر مسئلہ پوچھنے لگی تو فضل بن عباس نے اس پر نگاہیں گاڑ دیں۔ آپ نے دیکھا تو ان کا منہ پکڑ کر دوسری طرف کر دیا۔[52]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۴۔ اس طرح کے موقعوں پر شرم گاہوں کی حفاظت کی جائے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ تعبیر ناجائز شہوت رانی سے پرہیز کے لیے اختیار کی گئی ہے، لیکن سورۂ نور کی ان آیات میں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد عورتوں اور مردوں کا اپنے صنفی اعضا کو اچھی طرح ڈھانپ کر رکھنا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ مرد و زن ایک جگہ موجود ہوں تو چھپانے کی جگہوں کو اور بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ چھپانا چاہیے۔ اس میں ظاہر ہے کہ بڑا دخل اس چیز کو ہے کہ لباس باقرینہ ہو۔ عورتیں اور مرد، دونوں ایسا لباس پہنیں جو زینت کے ساتھ صنفی اعضا کو بھی پوری طرح چھپانے والا ہو۔ پھر ملاقات کے موقع پر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اٹھنے

---

[49] بخاری، رقم ۶۳۴۳۔

[50] ابوداؤد، رقم ۲۱۴۹۔

[51] مسلم، رقم ۲۱۵۹۔

[52] بخاری، رقم ۱۵۱۳۔

بیٹھنے میں کوئی شخص برہنہ نہ ہونے پائے۔شرم گاہوں کی حفاظت سے یہاں قرآن کا مقصود یہی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی معاشرت میں غض بصر کے ساتھ یہ چیز بھی پوری طرح ملحوظ رکھی جائے۔

۵۔عورتوں کے لیے، بالخصوص ضروری ہے کہ وہ زیب و زینت کی کوئی چیز اپنے قریبی اعزہ اور متعلقین کے سوا کسی شخص کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔اس سے زیبایش کی وہ چیزیں، البتہ مستثنیٰ ہیں جو عادۃً کھلی ہوتی ہیں۔یعنی ہاتھ، پاؤں اور چہرے کا بناؤ سنگھار اور زیورات وغیرہ۔اس کے لیے اصل میں 'الا ما ظهر منها ' کے جو الفاظ آئے ہیں، ان کا صحیح مفہوم عربیت کی رو سے وہی ہے جسے زمخشری نے 'الا ما جرت العادة و الجبلة على ظهوره و الاصل فيه الظهور'[۵۳] کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔یعنی وہ اعضا جنھیں انسان عادۃً اور جبلی طور پر چھپایا نہیں کرتے اور وہ اصلاً کھلے ہی ہوتے ہیں۔لہٰذا ان اعضا کے سوا باقی ہر جگہ کی زیبایش عورتوں کو چھپا کر رکھنی چاہیے، یہاں تک کہ مردوں کی موجودگی میں اپنے پاؤں زمین پر مار کر چلنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر نہ ہو جائے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر عورتوں کے تیز خوشبو لگا کر باہر نکلنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے[۵۴]۔

جن اعزہ اور متعلقین کے سامنے اظہار زینت کی یہ پابندی نہیں ہے، وہ یہ ہیں:

ا۔ شوہر

ب۔ باپ

ج ۔ شوہروں کے باپ

اپنے اور شوہر کے باپ کے لیے اصل میں لفظ 'آباء' استعمال ہوا ہے۔اس کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں، بلکہ اجداد و اعمام، سب شامل ہیں۔لہٰذا ایک عورت اپنی ددھیال اور ننھیال، اور اپنے شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے ان سب بزرگوں کے سامنے زینت کی چیزیں اسی طرح ظاہر کر سکتی ہے، جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے کر سکتی ہے۔

د۔ بیٹے

ہ۔ شوہروں کے بیٹے

۵۳؎ الکشاف ۲۳۱/۳۔

۵۴؎ ابوداؤد، رقم ۴۱۷۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

و۔ بھائی

ز۔ بھائیوں کے بیٹے

ح ۔ بہنوں کے بیٹے

بیٹوں میں پوتے، پرپوتے اور نواسے، پرنواسے، سب شامل ہیں اور اس معاملے میں سگے اور سوتیلے کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی حکم بھائیوں اور بھائی بہنوں کی اولاد کا ہے۔ ان میں بھی سگے، سوتیلے اور رضاعی، تینوں قسم کے بھائی اور بھائی بہنوں کی اولاد شامل سمجھی جائے گی۔

ط۔ اپنے میل جول اور تعلق و خدمت کی عورتیں

اس سے واضح ہے کہ اجنبی عورتوں کو بھی مردوں ہی کے حکم میں سمجھنا چاہیے اور ان کے سامنے بھی مسلمان عورتوں کو اپنی چھپی ہوئی زینت کے معاملے میں محتاط رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں مالی اور اخلاقی، دونوں قسم کی آفتوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، بلکہ بعض حالات میں یہ چیز اس سے بھی بڑے خطرات کا باعث بن جاتی ہے۔

ی۔ غلام

یہ اس زمانے میں موجود تھے۔ 'ما ملکت ایمانھن' کے جو الفاظ ان کے لیے اصل میں آئے ہیں، ان سے بعض فقہا نے صرف لونڈیاں مراد لی ہیں، لیکن اس کا کوئی قرینہ ان الفاظ میں موجود نہیں ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"اگر صرف لونڈیاں ہی مراد ہوتیں تو صحیح اور واضح تعبیر 'اماءھن' کی ہوتی، ایک عام لفظ جو لونڈیوں اور غلاموں، دونوں پر مشتمل ہے، اس کے لیے استعمال نہ ہوتا۔ پھر یہاں اس سے پہلے 'نسائھن' کا لفظ آ چکا ہے جو ان تمام عورتوں پر، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، مشتمل ہے جو میل جول اور خدمت کی نوعیت کی وابستگی رکھتی ہیں۔ اس کے بعد لونڈیوں کے علیحدہ ذکر کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

(تدبر قرآن ۵/۳۹۸)

ک۔ وہ لوگ جو گھر والوں کی سرپرستی میں رہتے ہوں اور زیردستی کے باعث یا کسی اور وجہ سے انھیں عورتوں کی طرف رغبت نہ ہو سکتی ہو۔

ل۔ بچے جو ابھی بلوغ کے تقاضوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۶۔عورت کا سینہ بھی چونکہ صنفی اعضا میں سے ہے، پھر گلے میں زیورات بھی ہوتے ہیں، اس لیے ایک مزید ہدایت یہ فرمائی ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر اسے دوپٹے سے ڈھانپ لینا چاہیے۔اس سے، ظاہر ہے کہ گریبان بھی فی الجملہ چھپ جائے گا۔ یہ مقصد اگر دوپٹے کے سوا کسی اور طریقے سے حاصل ہو جائے تو اس میں بھی مضایقہ نہیں ہے۔ مدعا یہی ہے کہ عورتوں کو اپنا سینہ اور گریبان مردوں کے سامنے کھولنا نہیں چاہیے، بلکہ اس طرح ڈھانپ کر رکھنا چاہیے کہ نہ وہ نمایاں ہو اور نہ اس کی زینت ہی کسی پہلو سے نمایاں ہونے پائے۔

ان آداب سے متعلق چند توضیحات بھی اسی سورہ میں بیان ہوئی ہیں۔

اولاً، فرمایا ہے کہ گھروں میں آمدورفت رکھنے والے غلاموں اور نابالغ بچوں کے لیے ہر موقع پر اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ تین اوقات میں اجازت لے کر داخل ہوں: نماز فجر سے پہلے جبکہ لوگ ابھی بستروں میں ہوتے ہیں؛ ظہر کے وقت جب وہ قیلولہ کے لیے کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور عشا کے بعد جب وہ سونے کے لیے بستروں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ تین وقت پردے کے وقت ہیں۔ان میں اگر کوئی اچانک آجائے گا تو ممکن ہے کہ گھر والوں کو ایسی حالت میں دیکھ لے جس میں دیکھا جانا پسندیدہ نہ ہو۔ان کے سوا دوسرے اوقات میں نابالغ بچے اور گھر کے غلام عورتوں اور مردوں کے پاس، ان کے تخلیے کی جگہوں میں اور ان کے کمروں میں اجازت لیے بغیر آسکتے ہیں۔اس میں کسی کے لیے کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن ان تین وقتوں میں ضروری ہے کہ جب وہ خلوت کی جگہ آنے لگیں تو پہلے اجازت لے لیں۔ نابالغ بچوں کے لیے، البتہ بالغ ہو جانے کے بعد یہ رخصت باقی نہ رہے گی۔اس دلیل کی بنا پر کہ یہ بچپن سے گھر میں آتے جاتے رہے ہیں، انھیں ہمیشہ کے لیے مستثنیٰ نہیں سمجھا جائے گا۔ بلوغ کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد ان کے لیے بھی ضروری ہوگا کہ عام قانون کے مطابق اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ : مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ	’’ایمان والو، تمھارے غلام اور لونڈیاں اور تمھارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین وقتوں میں اجازت لے کر تمھارے پاس آیا کریں: نماز فجر سے پہلے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الْفَجْرِ ، وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ، وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ، ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ، لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ، طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ . كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ . وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ . كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ، وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (النور۲۴: ۵۸۔۵۹)

اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد ۔ یہ تین وقت تمھارے لیے پردے کے وقت ہیں ۔ اِن کے بعد نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ اُن پر ۔ (اِس لیے کہ) تم ایک دوسرے کے پاس بار بار آنے والے ہو ۔ اِس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے ۔ اور جب تمھارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اُسی طرح اجازت لیں جس طرح اُن کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں ۔ اِس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے ۔''

ثانیاً، ارشاد ہوا ہے کہ دوپٹے سے سینہ اور گریبان ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ان بڑی بوڑھیوں کے لیے نہیں ہے جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، بشرطیکہ وہ زینت کی نمایش کرنے والی نہ ہوں ۔ عورت کی خواہشات جس عمر میں مر جاتی ہیں اور اس کو دیکھ کر مردوں میں بھی کوئی صنفی جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس میں سینے اور گریبان پر آنچل ڈالے رکھنا ضروری نہیں ہے ۔ لہٰذا بوڑھی عورتیں اپنا یہ کپڑا مردوں کے سامنے اتار سکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ تاہم پسندیدہ بات ان کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ احتیاط کریں اور مردوں کی موجودگی میں اسے نہ اتاریں ۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا ، فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ، وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ، وَاللّٰهُ

''اور بڑی بوڑھیاں جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، وہ اگر اپنے دوپٹے اتار دیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں ، بشرطیکہ زینت کی نمایش کرنے والی نہ ہوں ۔ اور اگر احتیاط برتیں تو اُن کے لیے بہتر ہے ۔ اور اللہ سننے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ. (النور ۲۴: ۶۰) والا ہے، وہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

ثالثاً، وضاحت فرمائی ہے کہ لوگ خود ہوں یا ان کے مجبور و معذور اعزہ اور احباب جو انھی کے گھروں پر گزارہ کرتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے گھروں میں آئیں جائیں، ملیں جلیں اور مرد و عورت الگ الگ یا اکٹھے بیٹھ کر کھائیں پئیں، نہ ان کے اپنے گھروں میں، نہ باپ دادا کے گھروں میں، نہ ماؤں کے گھروں میں، نہ بھائیوں اور بہنوں کے گھروں میں، نہ چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں میں، نہ زیر تولیت افراد کے گھروں میں اور نہ دوستوں کے گھروں میں۔ اتنی بات، البتہ ضروری ہے کہ گھروں میں داخل ہوں تو اپنے لوگوں کو سلام کریں۔ یہ بڑی بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے جس سے باہمی تعلقات میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔ ملنے جلنے کے جو آداب انھیں بتائے گئے ہیں، ان سے ربط و تعلق کے لوگوں کو سہارے سے محروم کرنا یا ان کی سوشل آزادیوں پر پابندی لگانا مقصود نہیں ہے۔ وہ اگر سمجھ بوجھ سے کام لیں تو ان آداب کی رعایت کے ساتھ یہ سارے تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس سے مختلف کوئی بات اگر انھوں نے سمجھی ہے تو غلط سمجھی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی ممنوع قرار دینا پیش نظر نہیں ہے:

لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الۡمَرِیۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا مِنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اٰبَآئِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اُمَّھٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اِخۡوَانِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخَوٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَعۡمَامِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ عَمّٰتِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ اَخۡوَالِکُمۡ اَوۡ بُیُوۡتِ خٰلٰتِکُمۡ اَوۡ مَا مَلَکۡتُمۡ مَّفَاتِحَہٗۤ اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ، لَیۡسَ

''نہ اندھے کے لیے کوئی حرج ہے، نہ لنگڑے کے لیے اور نہ مریض کے لیے اور نہ خود تمھارے لیے کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اپنے زیر تولیت لوگوں کے گھروں سے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ پیو۔ تم پر کوئی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا. فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ، تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ، مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً. كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ، لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ.

(النور۲۴:۶۱)

گناہ نہیں، چاہے مرد وعورت اکٹھے بیٹھ کر کھاؤ یا الگ الگ۔(اتنی بات، البتہ ضروری ہے کہ) جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی ایک بابرکت اور پاکیزہ دعا۔ اِس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیتوں کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔‘‘

عام حالات میں آداب یہی ہیں، لیکن مدینہ میں جب اشرار نے مسلمان شریف زادیوں پر تہمتیں تراشنا اور انھیں تنگ کرنا شروع کیا تو سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپ کی بیٹیوں اور عام مسلمان خواتین کو مزید یہ ہدایت فرمائی کہ اندیشے کی جگہوں پر جاتے وقت وہ اپنی چادروں کے پلو اوپر سے چہرے پر لٹکا لیا کریں تاکہ اخلاق باختہ عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور ان کے بہانے سے کوئی انھیں اذیت نہ دے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں جب رات کی تاریکی میں یا صبح منہ اندھیرے رفع حاجت کے لیے نکلتی تھیں تو یہ اشرار ان کے درپے آزار ہوتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو فوراً کہہ دیتے تھے کہ ہم نے تو فلاں اور فلاں کی لونڈی سمجھ کر ان سے فلاں بات معلوم کرنا چاہی تھی[۵۵]۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا، فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا. يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ، قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ يُدۡنِيۡنَ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِيۡبِهِنَّ، ذٰلِكَ اَدۡنٰٓى اَنۡ يُّعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ، وَ كَانَ اللّٰهُ

’’اور جو لوگ مسلمان عورتوں اور مردوں کو اُن چیزوں کے معاملے میں اذیت دیتے ہیں جن کا اُنھوں نے ارتکاب نہیں کیا ہے، (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اُنھوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔ (اِس صورت حال میں)، اے پیغمبر، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کردو کہ (باہر

۵۵؎ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۳/۵۱۸۔ الکشاف، زمخشری ۳/۵۶۰۔

غَفُوْرًا رَّحِیْمًا. لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا، مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا، اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا. (۳۳:۵۸۔۶۱)

نکلیں تو) اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ یہ اِس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ (لونڈیوں سے الگ) پہچانی جائیں اور اُنھیں اذیت نہ دی جائے، اور اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ یہ منافق اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور وہ بھی جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ بھی جو مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے ہیں تو ہم اِن کے خلاف تمھیں اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ مشکل ہی سے تمھارے ساتھ رہ سکیں گے۔ ان پر پھٹکار ہو گی، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیے جائیں گے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان آیتوں میں 'ان یعرفن فلا یوذین' کے الفاظ اور ان کے سیاق وسباق سے بالکل واضح ہے کہ یہ کوئی مستقل حکم نہ تھا، بلکہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں کے شر سے مسلمان عورتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی نوعیت کی بعض مصلحتوں کے پیش نظر، عورتوں کو تنہا لمبا سفر کرنے اور راستوں میں مردوں کے ہجوم کا حصہ بن کر چلنے سے منع فرمایا۔[۵۶] لہٰذا مسلمان خواتین کو اگر اب بھی اس طرح کی صورت حال کسی جگہ درپیش ہو تو وہ ایسی کوئی تدبیر دوسری عورتوں سے اپنا امتیاز قائم کرنے اور اپنی حفاظت کے لیے اختیار کر سکتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی رعایت سے اور خاص آپ کی ازواج مطہرات کے لیے بھی اس سلسلہ کی بعض ہدایات اسی سورۂ احزاب میں بیان ہوئی ہیں۔ عام مسلمان مردوں اور عورتوں سے ان ہدایات کا اگرچہ کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بعض اہل علم چونکہ ان کی تعمیم کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ

۵۶؎ بخاری، رقم ۱۰۸۸۔ ابوداؤد، رقم ۵۲۷۲۔

ان کی صحیح نوعیت بھی یہاں واضح کر دی جائے۔

سورہ پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے وہی اشرار اور منافقین جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، جب رات دن اس تگ و دو میں رہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے متعلق کوئی اسکینڈل پیدا کریں تاکہ عام مسلمان بھی آپ سے برگشتہ اور بدگمان ہوں اور اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ بھی بالکل برباد ہو کر رہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کا سد باب اس طرح کیا کہ پہلے ازواج مطہرات کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو دنیا کے عیش اور اس کی زینتوں کی طلب میں حضور سے الگ ہو جائیں اور چاہیں تو اللہ و رسول اور قیامت کے فوز و فلاح کی طلب گار بن کر پورے شعور کے ساتھ ایک مرتبہ پھر یہ فیصلہ کر لیں کہ انھیں اب ہمیشہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ اگر حضور کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو انھیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ کی رفاقت سے جو مرتبہ انھیں حاصل ہوا ہے، اس کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہے۔ وہ پھر عام عورتیں نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت مسلمانوں کی ماؤں کی ہے۔ اس لیے وہ اگر صدق دل سے اللہ و رسول کی فرماں برداری اور عمل صالح کریں گی تو جس طرح ان کی جزا دہری ہے، اسی طرح اگر ان سے کوئی جرم صادر ہوا تو اس کی سزا بھی دوسروں کی نسبت سے دہری ہو گی۔ ان کے باطن کی پاکیزگی میں شبہ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کی نگاہ میں بھی ہر طرح کی اخلاقی نجاست سے بالکل پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ ان کے مقام و مرتبہ کا تقاضا ہے اور اس کے لیے یہ چند باتیں اپنے شب و روز میں انھیں لازماً ملحوظ رکھنی چاہییں:

اول یہ کہ وہ اگر خدا سے ڈرنے والی ہیں تو ہر آنے والے سے بات کرنے میں نرمی اور تواضع اختیار نہ کیا کریں۔ عام حالات میں تو گفتگو کا پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ آدمی تواضع اختیار کرے، لیکن جو حالات انھیں درپیش ہیں، ان میں اشرار و منافقین مروت اور شرافت کے لہجے سے دلیر ہوتے اور غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس سے انھیں یہ توقع پیدا ہو جاتی ہے کہ جو وسوسہ اندازی وہ ان کے دلوں میں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس میں انھیں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے ایسے لوگوں سے اگر بات کرنے کی نوبت آئے تو بالکل صاف اور سادہ انداز میں اور اس طرح بات کرنی چاہیے کہ اگر وہ اپنے دل میں کوئی برا ارادہ لے کر آئے ہیں تو انھیں اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ یہاں ان کے لیے کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ ، لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ، اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ، وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. (۳۳:۳۲)

’’نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، (اِس لیے) اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو لہجے میں نرمی اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں خرابی ہے، وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور (اِس طرح کے لوگوں سے) صاف سیدھی بات کیا کرو۔‘‘

دوم یہ کہ اپنے مقام و مرتبہ کی حفاظت کے لیے وہ گھروں میں ٹک کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس ذمہ داری پر انھیں فائز کیا ہے، ان کے سب انداز اور رویے بھی اس کے مطابق ہونے چاہییں۔ لہٰذا کسی ضرورت سے باہر نکلنا ناگزیر ہو تو اس میں بھی زمانۂ جاہلیت کی بیگمات کے طریقے پر اپنی زیب و زینت کی نمایش کرتے ہوئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ ان کی حیثیت اور ذمہ داری، دونوں کا تقاضا ہے کہ اپنے گھروں میں رہ کر شب و روز نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام رکھیں اور ہر معاملے میں پوری وفاداری کے ساتھ اللہ اور رسول کی اطاعت میں سرگرم ہوں۔ تاہم کسی مجبوری سے باہر نکلنا ہی پڑے تو اسلامی تہذیب کا بہترین نمونہ بن کر نکلیں اور کسی منافق کے لیے انگلی رکھنے کا کوئی موقع نہ پیدا ہونے دیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ، وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ، وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ ، وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ ، وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ. اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ ، اَهْلَ الْبَيْتِ ، وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (۳۳:۳۳)

’’اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح سج دھج نہ دکھاتی پھرو، اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ و رسول کی فرماں برداری کرو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اِس گھر کی بیبیو کہ تم سے (وہ) گندگی دور کرے (جو یہ منافق تم پر تھوپنا چاہتے ہیں) اور تمھیں پوری طرح پاک کر دے۔‘‘

سوم یہ کہ اللہ کی آیات اور ایمان و اخلاق کی جو تعلیم ان کے گھروں میں دی جا رہی ہے، دوسری باتوں کے بجائے وہ اپنے ملنے والوں سے اس کا چرچا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جس کام کے لیے منتخب فرمایا

ہے، وہ یہی ہے۔ ان کا مقصد زندگی اب دنیا اور اس کا عیش و عشرت نہیں، بلکہ اسی علم و حکمت کا فروغ ہونا چاہیے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ . اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا. (۳۳:۳۴)

''اور تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور اُس کی نازل کردہ حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے، (اپنے ملنے والوں سے) اُس کا چرچا کرو۔ بے شک، اللہ بڑا ہی دقیقہ شناس ہے، وہ پوری طرح خبر رکھنے والا ہے۔''

اس کے بعد بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشرار اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ اسی سورہ میں آگے اللہ تعالیٰ نے نہایت سختی کے ساتھ چند مزید ہدایات اس سلسلہ میں دی ہیں۔

فرمایا ہے کہ اب کوئی مسلمان بن بلائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخل نہ ہو سکے گا۔ لوگوں کو کھانے کی دعوت بھی دی جائے گی تو وہ وقت کے وقت آئیں گے اور کھانا کھانے کے فوراً بعد منتشر ہو جائیں گے، باتوں میں لگے ہوئے وہاں بیٹھے نہ رہیں گے۔

آپ کی ازواج مطہرات لوگوں سے پردے میں ہوں گی اور قریبی اعزہ اور میل جول کی عورتوں کے سوا کوئی ان کے سامنے نہ آئے گا۔ جس کو کوئی چیز لینا ہوگی، وہ بھی پردے کے پیچھے ہی سے لے گا۔

پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ جو منافقین ان سے نکاح کے ارمان اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، ان پر واضح ہو جانا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ازواج مطہرات سے کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ان کی یہ حرمت ہمیشہ کے لیے قائم کر دی گئی ہے۔ لہٰذا ہر صاحب ایمان کے دل میں احترام و عقیدت کا وہی جذبہ ان کے لیے ہونا چاہیے جو وہ اپنی ماں کے لیے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوگوں کی یہ باتیں باعث اذیت رہی ہیں۔ اب وہ متنبہ ہو جائیں کہ اللہ کے رسول کو اذیت پہنچانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بڑی ہی سنگین بات ہے۔ یہاں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی نازیبا سے نازیبا حرکت کے لیے بھی کوئی عذر تراش لے، لیکن وہ پروردگار جو دلوں کے بھید تک سے واقف ہے، یہ باتیں اس کے حضور میں کسی کے کام نہ آ سکیں گی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، لَا تَدْخُلُوْا

''ایمان والو، نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بُیُوتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ
اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰہُ،
وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا،
فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ،
وَلَامُسْتَانِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ . اِنَّ
ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ
فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ ، وَاللّٰہُ لَا
یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ . وَاِذَا
سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعاً ، فَسْئَلُوْھُنَّ
مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. ذٰلِکُمْ
اَطْھَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَ قُلُوْبِھِنَّ.
وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا
رَسُوْلَ اللّٰہِ ، وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْآ
اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَداً . اِنَّ
ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْماً .
اِنْ تُبْدُوْا شَیْئاً اَوْ تُخْفُوْہُ ، فَاِنَّ
اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا . لَا
جُنَاحَ عَلَیْھِنَّ فِیْٓ اٰبَآءِ ھِنَّ وَلَآ
اَبْنَآءِ ھِنَّ ، وَلَآ اِخْوَانِھِنَّ ،
وَلَآاَبْنَآءِ اِخْوَانِھِنَّ، وَلَآ اَبْنَآءِ
اَخَوٰتِھِنَّ وَلَا نِسَآئِھِنَّ وَلَا مَا
مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ ، وَاتَّقِیْنَ اللّٰہَ،
اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
شَھِیْداً. (۳۳:۵۳۔۵۵)

الا یہ کہ تمھیں کسی وقت کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے ۔ اِس صورت میں بھی اُس کے پکنے کا انتظار کرتے ہوئے نہ بیٹھو۔ ہاں، جب بلایا جائے تو آؤ۔ پھر جب کھا لو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ یہ باتیں نبی کے لیے باعث اذیت تھیں، مگر وہ تمھارا لحاظ کرتے رہے اور اللہ حق بتانے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور نبی کی بیویوں سے تمھیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو ۔ یہ طریقہ تمھارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور اُن کے دلوں کے لیے بھی ۔ اور تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کے بعد اُن کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے ۔تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ ہر چیز سے واقف ہے ۔ اِن (بیبیوں) پر، البتہ اِس معاملے میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنے میل جول کی عورتوں اور اپنے غلاموں کے سامنے ہوں ۔ اور اللہ سے ڈرتی رہو، بیبیو۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

والدین

وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ، حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَھۡنًا عَلٰی وَھۡنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ، اَنِ اشۡکُرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیۡکَ، اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ. وَاِنۡ جَاھَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِکَ بِیۡ مَالَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ، فَلَا تُطِعۡھُمَا وَ صَاحِبۡھُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا، وَّاتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ، ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ، فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ. (لقمان ۳۱: ۱۴۔۱۵)

''اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی ہے ــــ اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُس کو پیٹ میں رکھا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوا ــــ (ہم نے اُس کو نصیحت کی ہے) کہ میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کا شکر بجا لاؤ۔ بالآخر پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ لیکن اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ جسے تم نہیں جانتے تو اُن کی بات نہ مانو اور دنیا میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہو اور پیروی اُنھی لوگوں کے طریقے کی کرو جو میری طرف متوجہ ہیں۔ تم سب کو پلٹنا پھر میری ہی طرف ہے اور میں (اُس وقت) تمھیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔''

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم تمام الہامی صحائف میں دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے بھی جگہ جگہ اس کی تلقین فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیات ۲۳۔۲۴، عنکبوت (۲۹) کی آیت ۸ اور احقاف (۴۶) کی آیت ۱۵ میں یہ مضمون کم و بیش اُنھی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ سورۂ لقمان کی ان آیات میں، البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ والدین سے حسن سلوک کے حدود بھی بالکل متعین فرما دیے ہیں۔ اس سے حکم کی جو صورت سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے:

۱۔ انسان کے والدین ہی اس کے وجود میں آنے اور پرورش پانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس معاملے میں باپ کی شفقت بھی کچھ کم نہیں ہوتی، لیکن حمل، ولادت اور رضاعت کے مختلف مراحل میں جو مشقت بچے کی ماں اٹھاتی ہے، اس کا حق کوئی شخص کسی طرح ادا نہیں کر سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی بنا پر ماں کا حق باپ کے مقابل میں تین درجے زیادہ قرار دیا ہے[۵۷]۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نصیحت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہے کہ اپنے پروردگار کے بعد انسان کو سب سے بڑھ کر اپنے ماں باپ ہی کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ یہ شکر محض زبان سے ادا نہیں ہوتا، اس کا لازمی تقاضا ہے کہ آدمی ان کے ساتھ انتہائی احترام کے ساتھ پیش آئے، ان کے خلاف دل میں کوئی بیزاری نہ پیدا ہونے دے، ان کے سامنے سوءِ ادب کا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالے، بلکہ نرمی، محبت، شرافت اور سعادت مندی کا اسلوب اختیار کرے۔ ان کی بات مانے اور بڑھاپے کی ناتوانیوں میں ان کی دل داری اور تسلی کرتا رہے۔

بنی اسرائیل میں فرمایا ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا، اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا، وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا، وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا. رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِيۡ نُفُوۡسِكُمۡ، اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ، فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا. (۱۷: ۲۳-۲۴)

''اور تیرے پروردگار کا فیصلہ یہ ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو۔ تمھارے سامنے اگر اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُنھیں اف تک نہ کہو، نہ اُنھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ادب کی بات کہو اور اُن کے سامنے مہر و محبت سے عاجزی کے بازو جھکائے رکھو اور دعا کرتے رہو کہ پروردگار، اُن پر رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا۔ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔ اگر تم سعادت مند رہو گے تو رجوع کرنے والوں کے لیے وہ بڑا بخشنے والا ہے۔''

ابن مسعود کی روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ فرمایا: والدین کے

۵۷؎ بخاری، رقم ۵۹۷۱۔

ساتھ اچھا برتاؤ۔[58]

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے لیے ذلت ہے، اس شخص کے لیے ذلت ہے، اس شخص کے لیے ذلت ہے۔ لوگوں نے پوچھا: کس کے لیے، یا رسول اللہ؟ فرمایا: جس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک اس کے پاس بڑھاپے کو پہنچا اور وہ اس کے باوجود جنت میں داخل نہ ہو سکا۔[59]

عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے جہاد کی اجازت چاہی۔ آپ نے پوچھا: تمھارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: پھر ان کی خدمت میں رہو، یہی جہاد ہے۔[60]

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ یمن کے لوگوں میں سے ایک شخص جہاد کی غرض سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: یمن میں کوئی عزیز ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ ہیں۔ فرمایا: انھوں نے اجازت دی ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: جاؤ اور ان سے اجازت لو۔ اگر دیں تو جہاد کرو، ورنہ ان کی خدمت کرتے رہو۔[61]

معاویہ اپنے باپ جاہمہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ، جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے پوچھا: تمھاری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: تو اس کی خدمت میں رہو، اس لیے کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔[62]

عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پروردگار کی خوشی باپ کی خوشی میں اور اس کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔[63]

۵۸؎ بخاری، رقم ۵۹۷۰۔

۵۹؎ مسلم، رقم ۴۶۲۷۔

۶۰؎ بخاری، رقم ۵۹۷۲۔

۶۱؎ ابوداؤد، رقم ۲۵۳۰۔

۶۲؎ نسائی، رقم ۳۱۰۴۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ابوالدردا کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کا بہترین دروازہ باپ ہے، اس لیے چاہو تو اسے ضائع کرو اور چاہو تو اس کی حفاظت کرو[۶۴]۔

عمرو بن شعیب اپنی ماں سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میرے پاس کچھ مال ہے اور میری اولاد بھی ہے، لیکن میرے والد اس مال کے ضرورت مند ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اور تمھارا مال، دونوں والد ہی کے ہیں[۶۵]۔

۲۔ والدین کی اس حیثیت کے باوجود یہ حق ان کو حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو بے دلیل اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے کے لیے اولاد پر دباؤ ڈالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ والدین کی نافرمانی شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے[۶۶]، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں حکم دیا ہے کہ اس معاملے میں اولاد کو ان کی اطاعت سے صاف انکار کر دینا چاہیے اور پیروی ہر حال میں انھی لوگوں کے طریقے کی کرنی چاہیے جو خدا کی طرف متوجہ ہیں۔ خدا سے انحراف کی دعوت والدین بھی دیں تو قبول نہیں کی جا سکتی۔ 'لا طاعة فی المعصیة، انما الطاعة فی المعروف'[۶۷] (اللہ کی نافرمانی میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف بھلائی کے کاموں میں ہے)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اسی بنا پر فرمائی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام و ہدایات بھی اسی کے تحت سمجھے جائیں گے اور والدین کے کہنے سے ان کی خلاف ورزی بھی کسی کے لیے جائز نہ ہوگی۔

۳۔ شرک جیسے گناہ پر اصرار کے باوجود دنیا کے معاملات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ دستور کے مطابق اسی طرح قائم رہنا چاہیے۔ ان کی ضروریات حتی المقدور پوری کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کے لیے ہدایت کی دعا بھی برابر جاری رہے۔ یہ سب 'صاحبهما فی الدنیا معروفاً' کا تقاضا ہے۔ دین و شریعت کا معاملہ الگ ہے، مگر اس طرح کی چیزوں میں اولاد سے ہرگز کوئی کوتاہی نہیں

۶۳؎ ترمذی، رقم ۱۸۹۹۔

۶۴؎ ترمذی، رقم ۱۹۰۰۔

۶۵؎ ابوداؤد، رقم ۳۵۳۰۔

۶۶؎ بخاری، رقم ۵۹۷۶۔

۶۷؎ بخاری، رقم ۷۲۵۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہونی چاہیے۔

آخر میں اولاد اور والدین، دونوں کو اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ اعمال کی جواب دہی کے لیے ایک دن پلٹنا میری ہی طرف ہے، 'ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون'۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''یہ خطاب والدین اور اولاد، دونوں سے یکساں ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے اور اطمینان دہانی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دن سب کی واپسی میری ہی طرف ہونی ہے اور اس دن جو کچھ جس نے کیا ہوگا، میں اس کے سامنے رکھ دوں گا۔ اگر کسی کے والدین نے میرے بخشے ہوئے حق سے غلط فائدہ اٹھا کر اولاد کو مجھ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی سزا بھگتیں گے اور اولاد نے والدین کے حق کے ساتھ ساتھ میرے حق کو بھی کماحقہ پہچانا اور اس حق پر قائم رہنے میں استقامت دکھائی تو وہ اپنی اس عزیمت کا بھرپور صلہ پائے گی۔'' (تدبر قرآن ۶/۱۳۰)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یتامیٰ

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ، وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ، اِنَّهٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا. وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا. وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا. وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاکْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ، فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ، وَلَا تَاْکُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا، وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ، وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ، فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ

اَمْــوَالَهُــمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا . لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَـرَكَ الْـوَالِـدٰنِ وَالْاَقْـرَبُـوْنَ وَلِلـنِّسَـآءِ نَـصِيْـبٌ مِّـمَّـا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْـرَبُوْنَ، مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ، نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا . وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُـوا الْـقُـرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّـعْـرُوْفًـا، وَلْيَـخْـشَ الَّـذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَـلَيْهِـمْ، فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا . اِنَّ الَّـذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا، اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا، وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا.

(النساء۴: ۲-۱۰)

''اور یتیموں کا مال اُن کے حوالے کر دو، نہ اپنے برے مال کو اُن کے اچھے مال سے بدلو اور نہ اُن کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھاؤ۔ اِس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (اُن کی) جو (مائیں) تمھارے لیے جائز ہوں، اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ پھر اگر اس بات کا ڈر ہو کہ (اِن کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی یا پھر وہ جو ملک یمین کی بنا پر تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اِس بات کے زیادہ قرین ہے کہ تم بے انصافی سے بچے رہو۔ اور اِن عورتوں کو بھی اِن کے مہر دو، اُسی طرح جس طرح مہر دیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اُسے شوق سے کھا لو۔ اور (یتیم اگر ابھی نادان اور بے سمجھ ہوں تو) اپنا وہ مال جس کو اللہ نے تمھارے لیے قیام و بقا کا ذریعہ بنایا ہے، اِن بے سمجھوں کے حوالے نہ کرو۔ ہاں، اس سے اُن کو کھلاؤ، پہناؤ اور اُن سے اچھی بات کرو۔ اور اِن یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم اُن کے اندر اہلیت پاؤ تو اُن کے مال اُن کے حوالے کرو، اور اِس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے، اُن کا مال اڑا کر اور جلدی جلدی کھا نہ جاؤ۔ اور (یتیم کا) جو (سرپرست) غنی ہو، اُسے چاہیے کہ (اُس کے مال سے) پرہیز کرے اور جو محتاج ہو، وہ (اپنے حق خدمت کے طور پر) دستور کے مطابق (اُس میں سے) کھائے۔ پھر جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو اُن پر گواہ ٹھیرا لو۔ اور حساب کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔ ماں باپ اور اقربا جو کچھ چھوڑیں، اُس میں مردوں کا بھی ایک حصہ ہے اور ماں باپ اور اقربا جو کچھ چھوڑیں، اُس میں عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے، خواہ یہ تھوڑا ہو یا بہت، ایک متعین حصے کے طور پر۔ لیکن تقسیم کے موقع پر جب قریبی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اعزہ اور یتیم اور مسکین وہاں آ جائیں تو اِس مال میں سے اُن کو بھی کچھ دو اور اُن سے اچھی بات کرو۔ اور اُن لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑتے تو اُن کے بارے میں اُنھیں بہت کچھ اندیشے ہوتے۔ اِس لیے چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور (ہر معاملے میں) سیدھی بات کہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔''

یتیموں کی بہبود اور اُن سے حسن سلوک کی ہدایت قرآن میں بعض دوسرے مقامات پر بھی ہوئی ہے۔ سورۂ نساء کی ان آیات میں ان کے بارے میں چند متعین احکام دیے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ یتیموں کے سرپرست ان کا مال ان کے حوالے کریں، اسے خود ہضم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ظلم و ناانصافی سے یتیم کا مال ہڑپ کرنا گویا اپنے پیٹ میں آگ بھرنا ہے۔ اس آگ کے ساتھ دوزخ کی آگ سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ لہٰذا کوئی شخص نہ اپنا برا مال ان کے اچھے مال سے بدلنے کی کوشش کرے اور نہ انتظامی سہولت کی نمایش کر کے اس کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانے کے مواقع پیدا کرے۔ اس طرح کا اختلاط اگر کسی وقت کیا جائے تو یہ خورد برد کے لیے نہیں، بلکہ ان کی بہبود اور ان کے معاملات کی اصلاح کے لیے ہونا چاہیے۔

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت اور ان کے حقوق کی نگہداشت ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے لیے تنہا اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو اور وہ یہ سمجھتے ہوں کہ یتیم کی ماں کو اس میں شامل کر کے وہ اپنے لیے سہولت پیدا کر سکتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ ان کی ماؤں میں سے جو ان کے لیے جائز ہوں، ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار کے ساتھ نکاح کر لیں۔ لیکن یہ اجازت صرف اس صورت میں ہے، جب بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھنا ممکن ہو۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں گے تو پھر یتیموں کی بہبود جیسے نیک مقصد کے لیے بھی ایک سے زیادہ نکاح نہ کریں۔ انصاف پر قائم رہنے کے لیے یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان عورتوں کا مہر اسی طریقے سے دیا جائے جس طرح عام عورتوں کو دیا جاتا ہے[۶۸]۔ یہ عذر نہیں پیدا کرنا چاہیے کہ نکاح چونکہ انھی کی اولاد کی

۶۸؎ ان شرائط کے بارے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں، ان کا جواب قرآن نے سورۂ نساء کی آیات ۱۲۷۔۱۳۰ میں دیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس سے پہلے ''تعدد ازواج'' کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔

مصلحت سے کیا گیا ہے، اس لیے اب کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہی۔ ہاں، اگر اپنی خوشی سے وہ مہر کا کوئی حصہ معاف کر دیں یا کوئی اور رعایت کریں تو اس میں حرج نہیں ہے۔ لوگ اگر چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۳۔ مال لوگوں کے لیے قیام و بقا کا ذریعہ ہے۔ اسے ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا یتیموں کا مال ان کے حوالے کر دینے کی جو ہدایت کی گئی ہے، اس پر عمل اسی وقت کیا جائے، جب وہ اپنا مال سنبھال لینے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اس سے پہلے ضروری ہے کہ یہ سرپرستوں کی حفاظت اور نگرانی میں رہے اور وہ یتیموں کو جانچتے رہیں کہ ان کے اندر معاملات کی سوجھ بوجھ اور اپنی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔ اس دوران میں ان کی ضروریات، البتہ فراخی کے ساتھ پوری کی جائیں۔ اس اندیشے سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے، ان کا مال جلدی جلدی اڑانے کی کوشش نہ کی جائے اور بات چیت میں ان کی دل داری کا خیال رکھا جائے۔

۴۔ سرپرست اگر مستغنی ہو تو اپنی اس خدمت کے عوض اسے کچھ لینا نہیں چاہیے، لیکن غریب ہو تو یتیم کے مال سے اپنا حق خدمت دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔ استاذ امام اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> ''دستور کے مطابق سے مراد یہ ہے کہ ذمہ داریوں کی نوعیت، جائداد کی حیثیت، مقامی حالات اور سرپرست کے معیار زندگی کے اعتبار سے وہ فائدہ اٹھانا جو معقولیت کے حدود کے اندر ہو۔ یہ نوعیت نہ ہو کہ ہر معقول آدمی پر یہ اثر پڑے کہ یتیم کے بالغ ہو جانے کے اندیشے سے اسراف اور جلد بازی کر کے یتیم کی جائداد ہضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۲۵۵)

۵۔ مال حوالے کیا جائے تو اس پر کچھ ثقہ اور معتبر لوگوں کو گواہ بنا لینا چاہیے تاکہ کسی سوءظن اور اختلاف و نزاع کا احتمال باقی نہ رہے۔ پھر یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دن یہی حساب اللہ تعالیٰ کو بھی دینا ہے اور وہ سمیع و علیم ہے، اس سے کوئی چیز چھپائی نہیں جا سکتی۔

۶۔ مرنے والے کے ترکے میں وارثوں کے حصے اگرچہ متعین ہیں، لیکن تقسیم وراثت کے موقع پر قریبی اعزہ اور یتامیٰ و مساکین اگر آ جائیں تو اس سے قطع نظر کہ قانونی لحاظ سے ان کا کوئی حق بنتا ہے یا نہیں، انھیں کچھ دے دلا کر اور اچھی بات کہہ کر رخصت کرنا چاہیے۔ اس طرح کے موقعوں پر یہ بات ہر شخص کو یاد رکھنی چاہیے کہ اس کے بچے بھی یتیم ہو سکتے اور وہ بھی اسی طرح انھیں دوسروں کی نگاہ التفات کا محتاج چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

غلامی

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا، وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰكُمْ. (النور۲۴:۳۳)

''اور تمھارے غلاموں میں سے جو مکاتبت چاہیں، اُن سے مکاتبت کر لو، اگر اُن میں بھلائی دیکھتے ہو اور (اِس کے لیے) اللہ کا وہ مال اُنھیں دو جو اُس نے تمھیں عطا فرمایا ہے۔''

سورۂ نور کی اس آیت میں غلاموں سے مکاتبت کا حکم بیان ہوا ہے۔ قرآن کے زمانۂ نزول میں غلامی کو معیشت اور معاشرت کے لیے اسی طرح ناگزیر سمجھا جاتا تھا، جس طرح اب سود کو سمجھا جاتا ہے۔ نخاسوں پر ہر جگہ غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور کھاتے پیتے گھروں میں ہر سن و سال کی لونڈیاں اور غلام موجود تھے۔ اس طرح کے حالات میں اگر یہ حکم دیا جاتا کہ تمام غلام اور لونڈیاں آزاد ہیں تو ان کی ایک بڑی تعداد کے لیے جینے کی اس کے سوا کوئی صورت باقی نہ رہتی کہ مرد بھیک مانگیں اور عورتیں جسم فروشی کے ذریعے سے اپنے پیٹ کا ایندھن فراہم کریں۔ یہ مصلحت تھی جس کی وجہ سے قرآن نے تدریج کا طریقہ اختیار کیا اور اس سلسلہ کے کئی اقدامات کے بعد بالآخر یہ قانون نازل فرمایا۔ اس میں مکاتبت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، یہ ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے مالک سے یہ معاہدہ کر لے کہ وہ فلاں مدت میں اس کو اتنی رقم ادا کرے گا یا اس کی کوئی متعین خدمت انجام دے گا اور اس کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ سورۂ نور کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اگر یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہے اور نیکی اور خیر کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کی یہ درخواست لازماً قبول کر لی جائے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ بیت المال سے، جسے یہاں اللہ کا مال کہا گیا ہے، اس طرح کے غلاموں کی مدد کریں۔ آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ مکاتبت کا یہ حق جس طرح غلاموں کو دیا گیا ہے، اسی طرح لونڈیوں کو بھی دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ لوحِ تقدیر اب غلاموں کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی آزادی کی تحریر اس پر جب چاہیں، رقم کر سکتے ہیں۔

غلامی سے متعلق یہ آخری حکم ہے۔ اس سے پہلے جو ہدایات وقتاً فوقتاً دی گئیں اور جن سے بتدریج

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس رواج کو مسلمانوں کے معاشرے سے ختم کرنا ممکن ہوا، وہ یہ ہیں:

۱۔قرآن نے اپنی دعوت کی ابتدا ہی میں غلام آزاد کرنے کو ایک بہت بڑی نیکی قرار دیا اور لوگوں کو نہایت موثر الفاظ میں اس کی ترغیب دی۔ چنانچہ اس کے لیے 'فك رقبة' یعنی گردنیں چھڑانے کی تعبیر اختیار کی گئی جس کی تاثیر کا اندازہ ہر صاحب ذوق بہ آسانی کرسکتا ہے۔قرآن میں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں، وہاں سیاق سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حصول سعادت کی راہ میں سب سے بڑا اور پہلا قدم قرار دیا ہے۔[۶۹]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طریقے سے لوگوں کو اس کی ترغیب دی اور فرمایا: جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے ہر عضو کو دوزخ سے نجات دے گا۔[۷۰]

۲۔لوگوں کو تلقین کی گئی کہ جب تک وہ انھیں آزاد نہیں کرتے، ان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے مالک جس طرح خود مختار اور مطلق العنان تھے، اسے ختم کر دیا گیا اور انھیں بتایا گیا کہ غلام بھی انسان ہیں اور ان کے انسانی حقوق کے خلاف کوئی رویہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔

ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا اور کپڑا غلام کا حق ہے اور اسے کوئی ایسا کام کرنے کے لیے نہیں کہا جائے گا جو اس کی ہمت سے باہر ہو۔[۷۱]

ابوذر غفاری بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انھیں تمھارے ماتحت کر دیا ہے۔ اس لیے جو کھاؤ، انھیں کھلاؤ اور جو پہنو، انھیں پہناؤ اور کوئی ایسا کام ان کو نہ کہو جو ان کی ہمت سے باہر ہو اور اگر کہو تو اس میں ان کی مدد کرو۔[۷۲]

ابن عمر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا یا اس کی پٹائی کی، اس کے گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔[۷۳]

---

۶۹ البلد ۹۰: ۱۳۔

۷۰ مسلم، رقم ۱۵۰۹۔

۷۱ مسلم، رقم ۱۶۶۲۔

۷۲ مسلم، رقم ۱۶۶۱۔

۷۳ مسلم، رقم ۱۶۵۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ابومسعود انصاری کا بیان ہے کہ میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا۔ میں نے پیچھے سے کسی کو کہتے ہوئے سنا: ابومسعود، جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے فوراً کہا: یا رسول اللہ، یہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ نہ کرتے تو تمھیں آگ کی سزا دی جاتی[4]۔

ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: یارسول اللہ، اپنے خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں؟ آپ خاموش رہے۔ اس نے پھر پوچھا: آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: دن میں ستر مرتبہ[5]۔

۳۔ قتل خطا، ظہار اور اس طرح کے بعض دوسرے گناہوں میں غلام آزاد کرنے کو کفارہ اور صدقہ قرار دیا گیا[6]۔

۴۔ تمام ذی صلاحیت لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح کر دینے کی ہدایت کی گئی تاکہ وہ اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے دوسروں کے برابر ہو سکیں[7]۔

۵۔ یہ نکاح اگر دوسروں کی لونڈیوں سے کیا جائے تو اس میں چونکہ نکاح اور ملکیت کے حقوق میں تصادم کا اندیشہ تھا، اس لیے احتیاط کی تاکید کی گئی۔ تاہم انھیں اجازت دی گئی کہ وہ اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی مقدرت نہیں رکھتے تو ان لونڈیوں میں سے جو مسلمان ہوں اور پاک دامن رکھی گئی ہوں، ان کے مالکوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کر لیں۔ پھر اس نکاح میں بھی حکم دیا گیا کہ ان کا مہر انھیں لازماً دیا جائے تاکہ بتدریج وہ آزاد عورتوں کے معیار پر آ جائیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَ مَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا	''اور جو تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں
اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ	سے نکاح کی مقدرت نہ رکھتا ہو، وہ اُن
الۡمُؤۡمِنٰتِ ، فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ	مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لے جو تمھاری

---

[4] مسلم، رقم ۱۶۵۹۔

[5] ابوداؤد، رقم ۵۱۶۴۔

[6] النساء ۴: ۹۲۔ المجادلہ ۵۸: ۳۔ المائدہ ۵: ۸۹۔

[7] النور ۲۴: ۳۲۔۳۳۔

اَیُمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ ، بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ، فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَامُتَّخِذٰتِ اَخْدَان ... ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ، وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌلَّکُمْ ، وَاللّٰہُ غَفُوْرٌرَّحِیْمٌ.

(النساء۴: ۲۵)

ملکیت میں ہوں ۔ اللہ تمھارے ایمان سے خوب واقف ہے۔ تم سب ایک ہی جنس سے ہو ۔ لہٰذا اُن لونڈیوں کے ساتھ اُن کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو اور دستور کے مطابق اُن کے مہر ادا کرو، اِس شرط کے ساتھ کہ وہ پاک دامن رکھی گئی ہوں، نہ علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والی ہوں... یہ اجازت تم میں سے اُن کے لیے ہے جن کے مشکل میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو، اور صبر کرو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے ۔ اور اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

۶۔ زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مستقل مد 'فی الرقاب' بھی رکھی گئی تا کہ غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی اس مہم کو بیت المال سے بھی تقویت بہم پہنچائی جائے۔[۷۸]

۷۔ زنا کو جرم قرار دیا گیا جس کے نتیجے میں لونڈیوں سے پیشہ کرانے کے تمام اڈے آپ سے آپ بند ہوگئے اور اگر کسی نے خفیہ طریقے سے اس کاروبار کو جاری رکھنے کی کوشش کی تو اسے نہایت عبرت ناک سزا دی گئی۔[۷۹]

۸۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ سب اللہ کے غلام ہیں، لہٰذا لونڈیوں اور غلاموں کے لیے 'عبد' اور 'امة' کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے 'فتی' اور 'فتاة' کے الفاظ استعمال کیے جائیں تا کہ ان کے بارے میں لوگوں کی نفسیات بدلے اور صدیوں سے جو تصورات قائم کر لیے گئے ہیں، وہ تبدیل ہو جائیں۔[۸۰]

---

۷۸ التوبہ ۹: ۶۰۔

۷۹ اس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، اسی کتاب میں: ''حدود وتعزیرات''۔

۸۰ مسلم، رقم ۲۲۴۹۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۹۔غلاموں کے فراہم ہونے کا ایک بڑا ذریعہ اس زمانے میں اسیران جنگ تھے۔مسلمانوں کے لیے اس کا موقع پیدا ہوا تو قرآن نے واضح کر دیا کہ جنگی قیدیوں کے معاملے میں دو ہی صورتیں ہوں گی: انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے گا یا بغیر کسی معاوضے کے احسان کے طور پر رہا کیا جائے گا۔ان کے علاوہ کوئی صورت اب مسلمانوں کے لیے جائز نہیں رہی۔[81]

۸۱؎ محمد ۴۷: ۴۔اس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، اسی کتاب میں: ''قانون جہاد''۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— جاوید

O

اب نئی منزلوں کے خواب کہاں　　ہر قدم پر نیا سراب کہاں
لذتِ غم کی بے خودی ہے فقط　　ساقی و مطرب و شراب کہاں
ایک غوغا ہے آں سوے افلاک　　پوچھتے ہیں ، مگر جواب کہاں
اب کوئی شمع آرزو ہی سہی　　ظلمتِ شب میں آفتاب کہاں
قعرِ دریا کو کھینچ لایا ہے　　موجۂ عشق میں حباب کہاں
ایک عالم کتاب خواں ہے مگر　　ایک بھی صاحبِ کتاب کہاں
آبلوں کا لہو ہے کانٹوں پر　　لالہ و سوسن و گلاب کہاں
اس تمدن میں اب حیا کیسی؟　　رہ گیا ہے کوئی حجاب کہاں

علم آلودۂ سیاست ہے
دعوتِ حق کا اضطراب کہاں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org